

# نقوش و نائزات

سفر حیدر بن عبد الوہاب تھانہ بہون

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ  
عزیز اعظم پاکستان

toobaa.elibrary.blogspot.com

toobaa.elibrary.blogspot.com

toobaa.elibrary.blogspot.com

اِنَّا لِلّٰهِ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ

# نقوش و تائثرات

سفر دیوبند و تھانہ بہون

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب<sup>رحمہ</sup>

پیشکش: طوبی ریسرچ لائبریری

[toobaa-elibrary.blogspot.com](http://toobaa-elibrary.blogspot.com)

# نُقُوش و تَاثِرَات

AF 699 حصہ اول

سفر دیوبند و تھانہ بھون  
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی  
رحمۃ اللہ علیہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

انوار المعارف کراچی

toobaa-elibrary.blogspot.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم  
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

## عرض ناشر

سفر کے حالات و واقعات قلم بند کرنے کا سلسلہ قدیم زمانے سے جاری ہے۔ ہر صاحب قلم نے اپنے ذوق کے مطابق سفر کے جائزات قلم بند کرنے کا قصد کیا۔ اشاعت علم میں اس طرز تالیف نے اس بناء پر ایک لہر ایں کر رہا ہوا کیا ہے کہ اس میں مطومات کو دلچسپ و اقبالی انداز میں تحریر کیا جاتا ہے جو انسانی ذہن پر گراں بار ہونے بلکہ مطومات کا ایک نواہ دے جاتا ہے۔ مگر ایک صاحب دل کی نگاہ سفر کے حالات و واقعات میں ایک مہرٹ انگیز و صیحت آموز پہلوؤں کو دیکھتی ہے، اور وہ جب قلم اٹھاتا ہے تو اپنے سفری جائزات کو نہ صرف ذہن بکھ دل کی تدا دیا جاتا ہے۔

مطلق اعظم پاکستان حضرت مولانا مطلق گو شلیک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کراچی سے سفر و بد و قعات بھون کے توش و آثارات ایک صاحب دل کی نگاہ مہرٹ انگیز و صیحت آموز کا ایسا مرقع ہے جس میں سفرنامے کی دلچسپی کے ساتھ ساتھ دنیا کی بے پناہی اور اس کی تمام راحتوں و آسائشوں کی اصل حقیقت کا اعتبار اور آخرت کے سفری پیاری کی نگاہ اس انداز سے بیان کی گئی ہے کہ قلب انسانی اڑنے بھر نہیں رو سکتا۔

toobaa-e-library.blogspot.com

توابع و آثار

908

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

ایضاح :  دارالکتاب

مکتبہ :  دارالکتاب

مکتبہ :  دارالکتاب

ایضاح :  دارالکتاب

فون : 5049733 - 5032020

ای میل : [toobaa@cyber.net.pk](mailto:toobaa@cyber.net.pk)

غلے کے پتے:

●  دارالکتاب

فون : 5049733 - 5032020

●  دارالکتاب

فون : 5031545 - 5031546

حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کا تسلیح و تبرک کا یہ سرخی  
"سردار بندہ وقاد بھون کے نقوش و نگارشات" ایک عرصے سے قیام تھا،  
"ادارۃ المعارف کراچی" نے اس کی دوبارہ طباعت کا ارادہ کیا تو  
قاریوں کی کھوت کے لئے فہرست میں درج مواد کے کو اصل مضمون کے  
مقام پر بھی لکھ دیا جس سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اس سطر میں حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے غلام، دارالعلوم  
دعوت سے خطاب فرمایا تھا، جسے آپ کے رفیق سطر حضرت مولانا مفتی محمد  
رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے رقم بند کر لیا تھا، اس کا خلاصہ بطور خلاصہ  
افادہ کی خاطر شامل اشاعت کر دیا ہے۔

اس طرح غازی دہلوی خواجوں کے ساتھ "ادارۃ المعارف کراچی"  
کو یہ کتاب پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ  
میں شرف توفیق عطا فرمائے اور قاریوں کے لئے اس کتاب کو حقیقی نفع  
میں منہج بنائے، آمین۔ ختم

غالب دہا

بیتِ نبویؐ  
بیتِ نبویؐ

بیتِ نبویؐ

بیتِ نبویؐ

toobaa-elibrary.blogspot.com

## فہرست مضامین


### حصہ اول

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سردار بندہ وقاد بھون

- ۱۰ ..... قیام کراچی
- ۱۱ ..... ہر انسان برہمت حرکت میں ہے
- ۱۲ ..... جس کو انسان وطن اصلی سمجھتا ہے وہ درحقیقت وطن اصلی کی طرف
- ۱۳ ..... سڑکی ایک منزل ہے
- ۱۴ ..... وطن کی تین قسمیں
- ۱۵ ..... قصبہ دعوت بندہ نور دارالعلوم کے مظہر حالات
- ۱۶ ..... دعوت بندہ
- ۱۷ ..... ترک وطن کا سبب تحریک پاکستان
- ۱۸ ..... کراچی میں قیام
- ۱۹ ..... قیام کراچی کے سبب مسائل
- ۲۰ ..... تیرہ سال کے بعد وطن کی طرف سطر
- ۲۱ ..... سطر کے تاثرات
- ۲۲ ..... وطن کی ہستی پر کوئی نعر کے تاثرات

- ۱۰ ..... دعوہ میں کیا دیکھا؟
- ۳۲ ..... آیت مذکورہ کی تفسیر
- ۳۳ ..... اپنے حق کو مکانات میں داخل اور اس کے جائزات
- ۳۵ ..... بزرگان دعوہ کے حارات
- ۳۶ ..... والد ماجد کی قبر پر
- ۳۸ ..... نبی الاسلام حضرت مولانا نورانی
- ۳۸ ..... حضرت مولانا محمد اسمن صاحب
- ۳۹ ..... حضرت شیخ الہند نورانی مرقدا
- ۴۰ ..... حضرت شیخ الہند کا ایک زویں تک
- ۴۲ ..... حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی
- ۴۳ ..... مفتح اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب
- ۴۵ ..... حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب سوانی عظیم دارالعلوم
- ۴۶ ..... شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحب
- ۴۸ ..... نمونہ سلف حضرت مولانا انور شاہ صاحب نورانی مرقدا
- ۴۹ ..... حضرت جانی عابد حسین صاحب
- ۵۰ ..... میاں صاحب (حضرت مولانا سید احمد حسین صاحب)
- ۵۱ ..... حضرت میاں صاحب کے چند کلمات مفیدہ
- ۵۳ ..... لہجی کے انکار و انتساب کی زیارت
- ۵۴ ..... مولانا حکیم سید محمد علی صاحب

- ۵۵ ..... دارالعلوم دعوہ میں حاضری
- ۵۵ ..... دارالعلوم دعوہ
- ۵۶ ..... علماء و طلباء کی مجلسیں
- ۵۷ ..... دارالافتاء اور اس کے آثار باقی
- ۵۸ ..... کتب خانہ
- ۵۸ ..... دارالعلوم میں ایک درسی حدیث
- ۶۰ ..... مسلک دعوہ کی حقیقت
- ۶۱ ..... سطر قحان بھون
- ۶۲ ..... خانقاہ اعداویہ
- ۶۳ ..... حکیم الامت حضرت مولانا قحانوی کی برکات و اجازات باقی
- ۶۸ ..... سولہ سال تک قحان بھون کی حاضری
- ۶۹ ..... قحان بھون اور خانقاہ اعداویہ کا موجودہ حال
- ۷۲ ..... حراز مبارک پر حاضری
- ۷۳ ..... مظاہر علوم سہارنپور
- ۷۴ ..... دعوہ سے وابستگی
- ۷۵ ..... اعلیٰ
- ۷۶ ..... 

مفتی اعظم پاکستان کی ایک اہم تقریر کے اہم اسات جو پاکستان  
سے دعوہ پہنچ کر دارالعلوم دعوہ کے عظیم اجتماع میں کی

حصہ اول

## سفر دیوبند و تھانہ بھون

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ  
مفتی اعظم پاکستان

toobaa-elibrary.blogspot.com

نکاح و نکاح	۸
ملفوظ نمبر ۱	۷۸
امام غزالی کا ہاتھ	۷۸
ملفوظ نمبر ۲	۷۹
ملفوظ نمبر ۳	۷۹
امام غزالی کے حقیقی خواب	۸۰
ملفوظ نمبر ۴	۸۰
ایک طالب علم کا ہاتھ	۸۰
مولانا مہدائی صاحب کا ہاتھ	۸۰
ملفوظ نمبر ۵	۸۱
ملفوظ نمبر ۶	۸۱
ملفوظ نمبر ۷	۸۱
مسئلہ دیوبند کیا ہے؟	۸۱
دوسرے حصہ میں جہان آباد سے مفتی محمد شفیع صاحب کا سفر ہمارے شاموں کیا گیا تھا جو اس طرح لکھا گیا ہے کہ وہ پہلے سے ہی طبع شدہ اور اشکو تھیلہ پر ہی موجود ہے	۸۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

دعوتِ بندہ سے ترکِ وطن اور کراچی میں اقامت پر تیرہ سال گزارنے کے بعد بخاری ۱۱ دئی ۱۳۹۸ھ - نومبر ۱۹۷۶ء میں دعوتِ بندہ جانے کا پیدا اتفاق ہوا تو مزاج میں دوستوں نے سزا دے لکھنے کی غمروائی اور مجھ سے اس کے لئے اصرار کیا۔ میں کیا اور میرا سزا حضرت کی ایک کبھی پھر آکر دہر سے دہر چلا گیا، اُس کا کون سزا دے لکھے؟ اس لئے اس کام کو فضول سمجھتا تھا، مگر دوستوں کا دیکھ کر ہونا بھی پتہ نہ تھا اس لئے سزا دہل اس سزا کے تاثرات اور تضامی و غیر کے طور پر غم بند کر دیئے، خدا کرے کہ چھ مہینوں کو کاغذ پیچھے اور پھر سے لکھے گی اور بعدِ جاہلیت و نہایت بن جائے، اَوْخَا وَلَیْکَ غَلِیُّ اللّٰہُ یَعْرِیْکَ۔

بندہ محمد شفیق علی اللہ عنہ

در سزا دہل ۱۱ دئی ۱۳۹۸ھ  
۱۱ دئی ۱۳۹۸ھ  
۱۱ دئی ۱۳۹۸ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَتَحْفِظِیْ وَسَلَامٌ عَلٰی سَیِّدِہِ الْبَرِّیِّیْنَ اَمَّا بَعْدُ  
فَعَسَوْفَا عَلٰی سَیِّدَا وَنَبِیِّہِ الْمَہْجَرِیْنَ فَخَشِیْرُ الْمُنْتَظَرِیْنَ  
وَعَنْ اَبْہَدِیِّہِ الْفَضْلِیِّیْنَ

انکس بات جہاں، واسطہ رب ہیں دیکھو  
برخیز سے صدا آتی ہے "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ"  
ہر انسان ہر وقت حرکت میں ہے

انسان بلکہ ہر جہاں ہر وقت ایک حرکت میں ہے، جو چیز کی وقت ماکہ بھی نظر آتی ہے، خود سے دیکھو وہ اس وقت بھی ایک خاص حرکت میں ہوتی ہے، حالات بدلتے ہیں، مقامات بدلتی ہیں، انسان اپنے ہونے اور آرام کے وقت، اپنے گھر میں قیام کے وقت اپنے آپ کو ماکہ کہتا ہے مگر درحقیقت وہ اس وقت بھی حرکت میں ہے، "حرکت" اس کے وجود کا لازم و ملزوم ہے۔

ہر انسان اپنا وطن اور گھر چھوڑنے کے بعد اپنے آپ کو سزا دہل کہتا ہے، لیکن ذرا غور کرے تو یہ حقیقت اس کے سامنے آجائے کہ وہ گھر میں بیٹھا ہوا بھی سفری میں ہے، زندگی کا ہر سانس اس کے سفر کا ایک قدم ہے جو برابری مسافت لئے کر رہا ہے۔



عمر کی آمد و شد کہہ رہی ہیں غفلت کیش  
کہ مثل برف ترا بہہ رہا ہے داس اہل  
اکبر مرحوم نے خوب فرمایا ۔

دل سے طاقت، دہن سے کس جاتا ہے  
پھر کر نہیں آتا جو عمر جاتا ہے  
بہت سا گھر ہوئی تو عہدہ یہ کھا  
یاں اور گروہ سے ایک رہی جاتا ہے

جس کو انسان وطن اصلی سمجھتا ہے وہ درحقیقت  
وطن اصلی کی طرف سڑکی ایک منزل ہے

آج کا انسان وطن پرستی میں جکا ہے۔ اپنے گاؤں، اپنے شہر،  
اپنے ملک کو وطن سمجھتا ہے، جب وہاں رہتا ہے تو اپنے آپ کو ختم اور اس  
سے باہر جاتا ہے تو مسافر کہتا ہے، لیکن اس سکھن کو یہ خبر نہیں کہ دنیا کا وطن  
اصلی بھی سڑکی ایک منزل سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا اس کا وطن اصلی کہیں  
اور ہے جس کی طرف ہر وقت، ہر حال میں صوبی یا غیر صوبی طور پر سفر کر  
رہا ہے ۔

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

یہ اقامت تجھے پیغام سفر دیتی ہے

انسان نے اپنی زندگی کے ہر دور میں مختلف جگہوں کو اپنا وطن سمجھا

ہے، مگر بہت حالات بدلے تو معلوم ہوا کہ وہ وطن نہیں تھا، بلکہ وطن کی  
طرف سڑکی ایک منزل تھی۔

سب سے پہلے ماں کے پیٹ کو اس نے وطن سمجھا، جہاں بطن مادر  
کی تین اندر صبر میں اس کا مسکن تھا، جہاں ہوا کا اچھا انتظام، نہ روشنی کا  
ذکر، گندا خون ان کی بہترین غذا، اور ایک گندی ٹھیلی عموں لہاس تھا، یکو  
لوں کے بعد بہت قدرت نے وہاں سے ۱۹۱۱ تو صاحبزادے ترکہ وطن  
کے عہدہ میں دوتے ہوئے اس جہاں میں ٹھہر رکھا لائے۔

ایک نیا جہان سامنے آیا، وسیع فضا ملی، روشنی ہوا ملی، غوں کے  
جھانے آدھو، عموں کپڑے نئے، راضی ہو گئے اور اب اس کو اپنا وطن کہنے  
لگے، یہاں سے کہیں جانے کے لئے چار نہیں۔

یکو اور وقت گزرا، گھر سے باہر نکلے، دوسرے مکانات اور طرح  
طرح کے سامان دیکھے تو گھر سے زیادہ دلچسپی ان چیزوں کے ساتھ  
ہوئے گی۔

اسی طرح جوں جوں زندگی کے مختلف ادوار میں گزرتا رہا اس کی ہر  
منزل کو اپنا وطن مانوے سمجھتا رہا، اور پہلے وطن کو فکر کی نگاہ سے دیکھتا رہا،  
ثانے ایسے ہی حالات سے جکڑ ہو کر دھار کے شعراء میں سے ایک شاعر  
نے کہا ہے ۔

لا یستعجبک حطیض العیش فی دوحۃ

لنروع لیسلس اہلی واطنہ

تجدید ہوگی۔ بلاشبہ ان حقیقت یہاں

اصلی سبب و اثر اور سبب و اثر

مگر اس اُلجھی ہوئی اور کراہی کو بھی ہاتھ نہ آیا کہ حقیقت تک پہنچا کر اور دوبارہ زندگی کے انتخاب کی دہلیز پر دیکھ لیتا کہ اس ساری غلط حرکت کی اور کسی اور طاقت کے ہاتھ میں ہے، وہی اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ، ایک حال سے دوسرے حال کی طرف لے جا رہی ہے، جس کی طرف قرآن کریم نے ”تَقْوَىٰ مَخْلُوقًا عَلَىٰ مَخْلُوقٍ“ کے ایک جملہ میں اشارہ فرمادیا ہے، جس میں قرآن کریم نے بتا دیا ہے کہ انسان ایک درجے سے دوسرے درجے کی طرف ترقی کر رہا ہے گا۔ قرآنی حقائق سے غفلت برتنے والے با حقیقت شمس انسان کی ساری زندگی کا حاصل یہ دیتا ہے کہ ۔

مسافر ہوں۔ کہاں جاتا ہے، یہ طاقت ہوں منزل سے

ازلی سے بھرتے بھرتے گورنگ پہنچا ہوں مشکل سے

حقل کی بات یہ ہے کہ یہ ہم وقت متحرک اور مسافر انسان اس حقیقت پر غور و فکر میں اپنی چوٹی کا قیام صرف کرے کہ ۔

کس کا خیال، کون سی منزل نظر میں ہے؟

صدیاں گزر گئیں کہ زمانہ میں سفر میں ہے

اس وقت اس کو معلوم ہوگا کہ ہم جن جن مقامات کو چلے گئے اور ان کے لئے لڑتے لڑتے آئے ہیں، وہ سب کے سب ہمارے سفر کی غلط منزلیں تھیں، نہ ہم اس ملک کے باشندے (مہاجر) ہیں، نہ یہاں

ہمیں ایسا کرنے دیا جائے گا، غلط باتوں کے درجہ غلط کوئی کوٹے ہوئے ہیں، ان کے قطع ہوتے ہی ہر ایک صفت کی جانچ کے ان کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔

وَمَا جَاءَهُمْ إِلَّا بُعْثُوا لَكُمْ قُلُوبًا

مَنْ يَشَاءُ

یعنی جب ان کا وقت مبین آپہنچے گا تو ان کو کھیر کے لئے مقدم کیا جائے گا اور نہ منزل، اور ہر شخص راہروی یا غیر راہروی طور پر اپنے وطن اصلی میں پہنچا دیا جائے گا، جس کا قرآنی نام ”مَدَارُ الْأُمَمِ“ ہے۔

اس وقت معلوم ہوگا کہ اس وطن اصلی سے اس کو سفر اس لئے کر دیا گیا تھا کہ دوسرے ملک سے اپنی دائمی زندگی کا سامان جمع کر لائے، جس کے طریقے کا بھی اسی دنیا میں انبیاء، علیم السلام کی زبانوں سے آسانی سکھائیں تھے، انبیاء، علیم السلام کے نائب علماء و مشائخ سے کھول کھول کر اعلان کر دیا گیا تھا کہ یہاں سے سامان منتقل کرنے کا طریقہ یہ نہیں ہوگا کہ کھانے پینے کی چیزیں، اور سب سے بچائے کا سامان گھڑیاں ہاتھ کر کے جاؤ، بلکہ روحانی اثراٹ وینک کے ذریعے دوسرے ملک کا خط (ایلیکٹرونک) حاصل کرو، اس کے ذریعے اپنے اصلی وطن میں سارے سامان مہیا ہوں گے، جس کی چوری چوری ذمہ داری سب اثراٹ (تکھوت) پر ہوگی۔

## وطن کی تین قسمیں

یاد آیا کہ میرے استاد محترم اور برادر محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز وطن پر نظر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ۔

برفغص کے تین وطن ہیں، ایک ہمسائی، دوسرا ایمانی، تیسرا زورمائی۔

وطن ہمسائی وہ جگہ ہے جہاں وہ پیدا ہوا۔

وطن ایمانی مسلمان کا دین پر مبنی ہے، جہاں سے اس کو نور ایمانی ملے۔

وطن زورمائی جنت ہے، جہاں عالم اربعہ میں اس کا اصلی مستقر تھا، اور پھر پکارا کر وہیں جاتا ہے۔

اس تجزیہ طولانی کا حاصل اپنے نفس کی صحت کشش اور خالصین حق کے لئے طبیعت و عبرت کا ایک پہلو سامنے لاتا تھا۔

بات کہیں سے کہیں چلی گی، ذرا غور تو یہ کہ مقصد اپنے وطن اصلی و دیندہ کو ترک کرنے کے تیرہ سال بعد پھر وطن کی طرف ایک سڑک کا سفر ہو گا۔ لیکن تھا، جو میرے لئے اپنے اوپر زندگی کی چلتی پھرتی تصویروں کا اہم یا حیرتوں کا مرقع ہے، شاید دوسرے دیکھنے سننے والوں کے لئے بھی مفید ثابت ہو، سنئے!

toobaa-elibrary.blogspot.com

## قصہ دیوبند اور دارالعلوم کے مختصر حالات

دیوبند؟

دیوبند کیا ہے؟ ایک چھوٹا سا صوبہ ضلع سہارنپور کا جس کو ذرا بعد ایمانی اور عرفانی حیثیت سے کوئی خاص شہرت حاصل ہے، نہ تھارانی یا صنعتی اعتبار سے، ہاں اس خوش نصیب ضلع زمینی میں علوم اسلامیہ کا ایک عظیم الشان دارالعلوم ہے جو ہندوستان میں اسلامی حکومت کے سقوط کے بعد علوم اسلامیہ کو اپنی اصل صورت میں باقی رکھنے کے لئے ایک کوشش طول کی حیثیت میں قائم کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو صحت قبول عطا فرمایا، اور مرکز علوم بنادیا، اور اس سے پیدا ہونے والے رجال اللہ اس آخری صدی کے مجدد ثابت ہوئے۔ اس طرح دیوبند اس دور انحطاط میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک پناہ گاہ بن گیا۔

دیوبند کا نام اس دارالعلوم سے چکا، اور دنیا کے ہر گوشے میں پہنچا، یہ عبادت گاہ میں علوم اسلامیہ کی ایک درس گاہ تھی اور رات میں ڈاکر و مشاغل حضرت کی خانقاہ۔

میرے والد ماجد مرحوم ابو دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے، یعنی ان کا سن ولادت اور دارالعلوم کا سن تقریباً ایک تھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ۔

میں نے دارالعلوم کا وہ وقت دیکھا ہے جب اس کے وہاں سے لے کر صدر مدرس اور محترم تک ہر شخص صاحب نسبت

ولی اللہ تھا۔

انقر نے اسی مبارک سرزمین پر آنکھ کھولی۔

بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰی الْقَلَمِ ثَمَنُهَا

وَنُؤَلِّیْ اَنْفُسَیْ جَلَدَیْ خَرَفَہَا (۱)

اسی میں مجھیں سے مجھیں تک کے تمام اہل آدمی نے ملے، میرا وطن کہنے کو تو دایب نہ تھا، لیکن درحقیقت اس کا بھی ایک گوشہ یعنی دارالعلوم تھا، اسی میں مظاہر تکمیل کو کا وقت گزرا، اسی میں سو سال تعلیم پائی، اسی میں چھپیس سال تعلیم اور پڑھنے کی خدمت اہمام دی۔

ترک وطن کا سبب تحریک پاکستان

حر کا بہت بڑا حصہ اسی اہم اقد کے گہد میں گزارنے کے بعد ملک کی تحریک آزادی نے ایک نیا رخ دیا۔ مسلم لیگ نے پاکستان کی توجہ کو آگے بڑھایا، میں اس سے پہلے کلی سیاست سے اس لئے بھٹب تھا کہ بعد مسلمان کی مشترک حکومت کا اہم سچ کچھ میں نہ آتا تھا، مسلمانوں کی مستقل حکومت کا فہرہ میں کر اصولی طرح نظر آیا، گورنل بار سے اختلاف خالق بھی تھا، کچھ عرصہ غور و فکر کے بعد سیدی حضرت عظیم امانت قدس سرہ کے حضور سے ہوا، انہما سے اس میں حصہ لینا اور مقدمہ لڑ کاوشل کرنا ملے کر لیا۔ اس کے نتیجے میں دارالعلوم کے اہل کار گھریں اور مسلم لیگ کی (۱) پر خرچے میں میں غائب نے میرے لگے کے تحویف کو ملے، اور کئی زمین ہے جس کی کلی میرے ہاں آگئی۔

سیاست گھڑائی، دارالعلوم کا وجود و بقا و احکام سب کے لئے واجب اقدیم تھا جو باہمی اختلافات کی صورت میں قائم نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے استاذ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب مدنی کی سمیت میں دارالعلوم سے مستقل ہو گیا اور اب وقت قاریغ ملا۔ ۱۹۴۳ء و ۱۹۴۴ء تک تحریک پاکستان کی جدوجہد میں مدد اس سے لے کر پٹانہ تک اور دوسری طرف کراچی تک ملک کا گوشہ گوشہ چھان مارا، بالآخر پاکستان وجود میں آیا تو اس کی محبت اور اس میں پیش آنے والی دینی اور ملی ضرورتوں کے تصور نے ترک وطن کے جذبات دل میں پیدا کرنے شروع کر دیے۔

دایب نہ میرے لئے صرف وطن ہمسائی نہیں بلکہ مدینہ حبیب سے لانے ہوئے علم کے ایک مرکز کی حیثیت سے وطن ایمانی بھی تھا، اس بختِ عمر عزیز کے تریچہ سال اسی میں گزرتے، اسی میں ہاں ملید ہوئے، کبھی ایک مہینے سے زائد اس سے قیر جا خیر نہ رہا، صرف ۱۹۴۳ء کے پہلے چھ میں اذاعلیٰ دایب نہ سے باہر رہنے کی نوبت آئی تھی، اور وہ بھی میرے لئے اچھائی تھابہ تھا، اس کی نظری محبت کا یہ عالم کہ تب بھی وطن سے سفر ہوتا تو مہر حر کر دیتا پاتا تھا۔

فَلَسْتُ نَحْنُ الْخَلْقُ خَلْقُ وَخَلْقُیْ

وَعَفْتُ بَيْنَ الْأَصْفَاءِ بَيْنَ وَأَخْلَافِ

ترجمہ:- میں نے وطن کی طرف مہر حر کر اتنا دیکھا کہ میری گردن کی رگیں ڈکھنے لگیں۔

فیک طرف ہاؤس کی صحت کا کمرہ لٹھلی، عیال کی کھڑت، مالی وسائل کا فقدان، ذخیرہ پائے ہوئے بٹنے کی اہانت نہیں دیتے، دوسری طرف یہ نیا ملک پاکستان جو عاقبت کی تہا اور ہزاروں کوششوں اور محنتوں کے بعد وجود میں آیا، اس کی طرف جانے اور وہاں اس ملک کو گنج مٹی میں اسلامی ملک بنانے کے لئے جدوجہد کا جذبہ ترک وطن پر مجبور کر رہا تھا۔

ایک اور اہم وجہ یہ تھی کہ میں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ اپنے جدی مکان کے ایک چھوٹے سے کمرے میں اپنے باپ بچوں کے ساتھ نہایت سچی سے گزارا تھا، اس دور انکسار سے چند سال پہلے حق تعالیٰ نے ایسے اسباب جمع فرما دیے کہ جدی مکان کے حقب میں ایک اللہ زمین خرید کر اپنا نیا مکان وہ منزل اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق بنانے میں کامیابی حاصل ہو گئی، ساتھ ہی طبعاً اوقات بیکوئی سے گزارنے کے لئے شہر کے قریب ایک باغیچہ اپنے ہاتھ سے لگایا۔ محبوب اتفاق تھا کہ جس سال میں مکان کی تعمیر مکمل ہوئی اسی سال میں باغ پر پہلا پھل نمودار ہوا، یہی وہ وقت تھا جب ترک وطن کا جذبہ دل میں ابھر رہا تھا اور بالآخر اللہ تعالیٰ کے نام پر اس دار و درباد اور گھر اور باغ کو چھوڑ کر پاکستان جانے کا فیصلہ بھاری اٹائیے حیدر آباد پر چل ۱۹۵۹ء میں کر لیا گیا۔ اپنے ساتھ صرف غیر شاہی شہرہ سنے اور فن کی والدہ محترمہ اور گھریلو سامان میں سے صرف دن کے کپڑے، اور مٹی سامان میں سے صرف اپنے مسدلات، ہائی سب عیال اور سامان اور کتب خانہ وغیرہ میں چھوڑ کر ۲۰ مئی بھاری اٹائیے حیدر آباد کیم ۱۹۵۹ء کو

دہلی کے لئے روانہ ہو گیا، وہاں سے پہلا جدوجہد، کمزور بیمار کراچی پاکستان میں منتقل ہو گیا۔ پاکستان میں ایسے مقامات بھی تھے جو اپنے وطن سے قریب، ہوا فضاء کے اعتبار سے ملے جلتے تھے، مگر ٹکڑے تری میں ہماری جگہ اس مقام میں بھی تھی جو وطن کے اعتبار سے پاکستان کا سب سے زیادہ طاقتور، وطن سے ملے بھی تو کہاں پہنچے، مجھے جیسے کم صحت، جملائے حب وطن کے لئے جس کو ابھی ابھی مرضی کے مطابق گھر نصیب ہوا اور اپنے لگائے ہوئے باغ کا پہلا پھل اپنی ابتدائی حالت میں نمودار ہوا، یہ وقت بہت ہی صبر آزما تھا اور کسی طرح اعزاز نہ تھا کہ اس عظیم انکسار کو برداشت کر سکیں گا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے اعانات کا شکر کس زبان سے ادا ہو کہ اس نے اسی وقت میرے قلب کو ان سب چیزوں سے ایسا بے نیاز بنا دیا کہ ہجرت ہو گئی، جس وقت میں نے مکان سے قدم نکالا، مکان میرے دل سے لٹل گیا۔

حسن اتفاق سے یہ ہجرت اس وقت ہوئی جبکہ میری عمر تین سال کی تھی، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہجرت نبوی کی سنت کا اختراع نصیب فرمایا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن شریف بھی ہجرت تین سال کی سال کا تھا۔

### کراچی میں قیام

نقل وطن کے بعد ایک نئے ملک، نئے دھول وطن اصلی سے بہت زور اور اس کی آپ دہوا سے بے حد مختلف شہر کراچی میں ایک ایسے مکان

میں قیام کیا جہاں آسمان صرف درختوں سے ٹھہرا ہوا تھا اور وہ بھی ایک مہربان نے درختوں کے نیچے سے دیا تھا جس کے ہر وقت ہاتھ سے گل جانے کا مشورہ لگا ہوا تھا۔ جاننے پچھاننے والے گئے چنے پھانٹتے تھے، ہر طرف دیکھ کر ہی دیکھ کر گئی کا دور دورہ تھا، جو بچے ساتھ تھے وہ اسے پھلنے کہ بازار کی ضروریات بھی ان کے سپرد نہ کر سکتا تھا، راستے مضموم نہیں۔ بازار کا اندازہ نہیں، مگر میں کوئی سامان نہیں۔ ہر چیز خریدنے جانے کی ضرورت سامنے، باقی مادہ خیال اور ضعیف بیوہ والدہ ماجدہ کی مدارقت سے حل ہوئی۔

مگر فکرواد نہیں ہو سکتا اپنے مالک کا کہ اس نے ہر قدم پر دھیمی فرمائی، اور ان حالات میں بھی خیال اور والدہ ماجدہ کی غمزدگی ہوئی مگر مکان باغ چاہیہ اونچی بھول کر بھی یاد نہیں آئے، اللہ تعالیٰ نے چہ ماہ کے اندر یہ مشکل بھی حل کر دی کہ والدہ ماجدہ اور باقی خیال بھی کراچی چلے گئے، پھر آہستہ آہستہ دوسرے اعزاء و اصحاب بھی کراچی چلے گئے، اور کراچی نے وطن اصلی کی جگہ لے لی۔ اب ہم اس کو وطن کہتے تھے، یہاں اپنا مکان جانے کی گنج ہوئے گی، سات سال تک کراچی کے مکانوں میں کہیں راحت سے، کہیں تکلیف سے گزار گئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ایک وسیع جگہ لیبیل باؤس پر مکان جانے کے لئے عطا فرمادی، اور وطن کے پھوڑے ہوئے مکان سے اور اپنے ارادہ اور خیال سے کہیں ہجرت اور آج کل مکان بن گیا۔ آیت قرآنی: "وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا" (اور جو اللہ سے ڈرے گا، وہ اس کے لئے ایک

مَخْرَجًا جَعَلْنَا لَهُ مَخْرَجًا" (۱) اور مہاجرین کے لئے قرآنی والدہ ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آگیا۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے: "فَلْيَتَّقِ اللَّهَ وَيُنَظِّمْ أَمْرَهُ" (۲) یہ تو وطن اور مکان کا افسانہ تھا جس کے لئے انسان اپنی توانائی اور مادی مگر خرچ کرتا ہے اور اچھے بُرے معاملات کو اختیار کرتا ہے۔ مگر جس قدر ت نے انھوں سے دیکھا دیا کہ یہ سب چیزیں خواب و خیال ہو گئیں اور عقل و شرع نے جاہلیت فرمائی کہ جس ماحول میں اب نئی زندگی گزر رہی ہے اس کی بھی اس سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں کہ چند روز کے بعد یہ بھی خواب و خیال ہو جانے والی ہے۔

### قیام کراچی کے نئے مشاغل

کراچی میں یہ سچہ سارا زندگی کن مشاغل میں گزری۔ اس کی داستان طویل ہے، یہ فکرو سیرت اس کا کل نہیں لیکن انکا اظہار مگر یہ ہے کہ یہاں پہنچنے کے بعد وہ چیزیں مضموم زندگی بن گئیں۔ اول پاکستان میں اسلامی دستور کا قانون اور نظام اسلامی کے تقاضا کی کوشش، دوسرے اس طرف علوم دینیہ کا کوئی عرصہ کراچی کے شاہین شاہان نہ ہونے کے سبب یہاں کے مناسب حال ایک مدرسہ کا قیام، اور تیسری چیز خدمتِ لائق ہے جو ہر جگہ ساتھ گئی ہی رہتی ہے، جہاں جنتا ہوں وہی ایک دارالافتاء ہو جاتا ہے۔

(۱) جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا، وہ اس کے لئے ایک مَخْرَجًا جَعَلْنَا لَهُ مَخْرَجًا (۲) اور جو اللہ سے ڈرے گا، وہ اس کے لئے ایک مَخْرَجًا جَعَلْنَا لَهُ مَخْرَجًا

(۳) ہم مہاجرین کو اپنا وطن (یعنی اپنا مکان) بنائے گئے۔

اصل تجربہ سے ملتی تھیں، ان میں سے ہر ایک کام ایسا ہے جو ایک طاقتور انسان کی پوری قوتائی اور ہر دلی مشقت چاہتا ہے، جو شخص ایک وقت ان تین کاموں میں لگ جائے اس کے مشاغل کا اندازہ اصل تجربہ ہی کر سکتے ہیں۔ جب کبھی مشاغل کی تحلیف کا خیال آتا ہے قدرت سے اور اخلاق ہو جاتا ہے۔

کلمہ اقلت ہو ازال زل زل

بہر حال ان مشاغل کے سلاب میں بہہ رہا ہوں، عمر کی متاع عزیز ایک سالس کے ساتھ نعم ہو رہی ہے، خدا جانتے ان سارے مشاغل و اعمال میں کوئی چیز ذہت اعلیٰ میں کی بارگاہ میں قبول بھی ہے یا نہیں۔

جس نے اپنا ایک بھی دن اگر پیچھے دیاں کرچہ کرتے ہیں بہت مال و فریاد ہم

بچی وہ کثرت مشاغل ہے جس نے تیرہ سال کے عرصے میں عزیزوں کے شوقہ نقاحوں کے باوجود چھوڑے ہوئے وطن کی طرف زرا نہیں کرنے دیا۔

تیرہ سال کے بعد وطن کی طرف سفر

ہجرت کے تیرہ سال پورا ہونے میں ایک مہینہ باقی تھا کہ عزیزوں کے دیرینہ نقاحوں کے چہرہ ہونے کا وقت آگیا اور دین اور غیرہ کے مراحل بھی قدرت نے آسانی سے طے کرا دیے۔ میرے پانچ لڑکوں میں سے چار اس سے پہلے مختلف اوقات و تقریبات کے سلسلے میں دہلیہ چائے تھے،

صرف مولوی محمد رفیع ستر باقی تھے ان سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب میں چاہوں گا تمہیں ساتھ لوں گا۔ اس وقت ایسا نہ وعدہ ضروری تھا، جلدی جلدی ان کے پاسپرٹ دینا کا بھی انتظام کیا، ۱۴ جولائی ۱۹۳۸ء ۱۴ نومبر ۱۹۳۹ء کو کراچی سے براہ دور رواگی ہوئی۔

لاہور میں جامعہ اشرفیہ کا سالانہ جلسہ انہیں جارتوں میں تھا، تین روز یہاں قیام رہا، جامعہ کے جلسہ میں بعد ازاں ایک تقریر ہوئی، جلسہ میں شریک ہونے والے علماء و مسلمان کی ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی، استاد محترم حضرت مولانا رسول شاہ صاحب مدظلہ جامعہ اشرفیہ لاہور کی زیارت ہوئی، حضور محترم حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب کے انخاص قدس سے استفادہ کا موقع ملا۔

لاہور میں میرے بڑے لڑکے مولوی محمد ذکی ستر مقيم ہیں۔ "ادارۃ اسلامیات" کے نام سے دینی کتب کی اشاعت کا ایک ادارہ قائم کیا ہوا ہے، داماد اللہ صالح اور سعید ہیں۔ یہ اگرچہ دیرینہ وعدہ مرچہ پانچک تھے مگر اس وقت میرا تھا سفر گوارا نہ کیا، اس لئے لاہور سے وہ بھی دہلی ستر ہو گئے۔ ۱۹ جولائی ۱۹۳۹ء ۹ نومبر ۱۹۳۹ء کو لاہور سے دہلیہ کے لئے رواگی ہوئی، مصر کی لڑاکا دور انہیں پانچ لڑکوں کے بعد گاڑی چلی۔

سفر کے تاثرات

چند منٹ ہی گزرنے تھے کہ گاڑی پاکستانی سرحد کو عبور کر کے

ہندوستان کے ایسے مقام میں داخل ہوئی جہاں مسلمانوں پر ایک قیامت برپا تھی۔ ان ذراغ فرسا واقعات کا ایک سلاب نغروں کے سامنے آئے آیا، کانوں میں مظلوم و معصوم عورتوں کی چیخیں، بچوں کا پھانا ہیزموں کی آواز، بچہ کو گھٹنے لگی، رقیقوں نے اپنی طرف متوجہ کیا تو یہ تصورات کی دنیا غائب ہوگئی اور امن و جانیت، سکون و راحت کے ساتھ سڑ پر حق تعالیٰ کا شکر دل سے نکلا، اور یہ حقیقت سامنے آگئی کہ ”سبحانہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نہ خدا کا ہونگوا“ جو کہو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ضرور ہو جاتا ہے، اور جو نہیں چاہتا وہ ہرگز نہیں ہوتا۔ ذراغ کے اگلے نمبر سے واقعات سب ایک حکم قدرت کے ماتحت جڑواؤں شکستیں پہلو میں لئے ہوئے چلتے ہیں، جو کہو ہوا ہمارے اعمال کی سزا اور آئندہ ہوشیار کرنے کے لئے تجزیات تھا۔

آواز، آواز، دیر کا ہارسٹ تھم رہے

زندگی کے خواب کی جالی جی قہیر ہے

میتھی حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

جز وہ علم حادث کا چشم حق ہیں

غیر وہ شبہ قہیر کے ہیں سچ و غم

عمر بہ ایک آدھ لکھ میں نے اس مضمون پر لکھی تھی، اس کے چند

اشعار اس وقت یاد آئے۔

ہر قہر میں اگر دیکھو جڑواؤں ہیں حکم

چند آدمیوں دیر و دیر میں کا نہیں جو دھم

انتخابات جہاں کیا جانے کس کا کام ہے

آسمان باغی زبان حق پر بنام ہے

اسی طرح باغی و جاں کے گرم و سرد واقعات کے تضاد کا اثر

میں اس محضر جان کا ایک حصہ ملے ہوا، امر سر آگیا۔

یہاں سماں کی چٹانگ، پاسپورٹ اور ویزا کی دیکھ بھال کے

مراحل سامنے تھے۔ مزد و محنت، پچ ہیز جاس کو دیکھو اپنی اپنی فکر میں

ہے، جھڑپیں لگی ہوئی ہیں، جو ان مراحل سے فارغ ہو گیا ہے سمجھا کہ گویا ایم

اصحاب کے امتحان سے فارغ ہو گیا، لیکن سوچنے والے کے لئے ذرا کے

اپنے ہی نمونے آخرت کے حساب کتاب کی یاد دلانے کا بھڑچند ذریعہ

چرا۔ مطلب کی نگاہ ان مراحل سے فراغت کے بعد ادا کی اور سہارنپور کی

گازی میں امینان کے ساتھ سوار ہو گئے، رات کے ذرا بے اس گازی

نے اپنے قدیم وطن کی سرحد یعنی انجمن سہارنپور پہنچا دیا۔

یہاں انجمن پر خاص خاص مزاج انتقاد میں کھڑے ہوئے نظر

آئے، کھڑے ہوئے عزیزوں کی بے تاب محبت نے گازی سے آرتنا زور

کر دیا، ان کی ملاقات کا کلیف بھی ایک ناقابل جان حالت تھی، رات کا

باقی حصہ ویسٹ زون میں گزارا، صبح کی نگاہ پڑھتے ہی اس کی فکر ہوئی کہ

سہارنپور ایس۔ پی کے دفتر میں آمد کا امدادی کرنا ہے، اس مرحلے سے

سازشیں ہی بے فرصت ملی تو دیر بند جانے والی گازی گویا آڑنے کے لئے

بے قول رہی تھی، بھانج و دوڑ کر اس پر سوار ہوئے اور...



## وطن کی ہستی پر پہلی نظر کے تاثرات

تھوڑی سی دیر میں ریل کے درجوں سے دلی بند کی ہستی پر نظر پڑی، میرے سامنے جذباتِ محبت سے لبریز نظروں سے وطن کی ایک ایک چیز کو دور سے دیکھنے میں مشغول تھے، میں اس ماحول میں اپنی گزری ہوئی زندگی کے قصبات میں ایسا کم ہو گیا کہ کسی کی بات سے دلچسپی نہ تھی۔

میں دل میں کہہ رہا تھا کہ عمر کے تریچے سال اس سرزمین پر گزارے ہیں، خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کتنے گناہوں کے عبادتوں نے اس زمین پر لگائے ہوں گے، یہاں کے زمین و آسمان، ہوا و فضا، میرے گناہوں کے شاہد ہوں گے، وہ فریاد کر رہے ہوں گے کہ یہ سب کارِ بھرا گیا۔

ستارِ صبح ب نے بندوں کی نگاہوں سے میرے محبوب پہچانے، وہ سب حیرتی تقسیم و تکریم کرنے لگے، مگر دلوں کے راز جاننے والا تو جانتا ہے کہ تو نے جو اعمال، صورتِ طاعت کئے تھے، میں بھی اعلا میں تھا، میری طبیعت میں وہ گناہیں، فقر و غرور، نور و ملامت، وہی حقیقت میں ایک طرح کا گناہ ہی تھا، جس کو طاعت و عبادت کی صورت میں کیا تھا، یہی وہ طبیعت گناہ ہیں جو خود بدلتی یا غیرت کو راضی کرنے کے لئے سرزد ہوتے ہیں، اسی قصور پر غرور ہوا میں نے ایک غاری ظلم بھی تھی، جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

دلیان خوشتر است نہ قرآن خوشتر است

کا کا کہ خواستہ طرزا جانا خوشتر است

نگ آدم رحمت یارانِ اینا زبانی  
بیں سوئم صراقی و چانہ خوشتر است  
میر جہاں خوش است دلے بعدِ غریب  
علوت گئے کوئیں کاٹانہ خوشتر است  
خوش دہی علم و عقل لڑائی بدوینہ

لیکن ہے بھانہ حوازا خوشتر است

اور اس وقت بھی یہ خوف ہے کہ اس قرعہ علم و سحر میں بھی کہیں دسائے شمس ہی کام نہ کر رہے ہوں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّسْ اَفْوَؤُا بِنَکْ مِنْ خُسْرٍ نَفْسِیْ وَ مِنْ خُسْرِ الشَّیْطَانِ وَ مِنْ کِبَرٍ وَ تَقْیِیْعٍ وَ تَقْیِیْعٍ وَ لَا مُنْجَا مِنْکَ اِلَّا بِکَ۔

ایک طرف ان خیالات کا جھوم تھا، دوسری طرف ساتھ ہی اندھیل شان کے انعامات و معالجات سے یہ بھی امید لگی ہوئی تھی کہ اس نے جب میرے محبوب پر پادہ اُٹالی دیا تو وہ کریم ہیں، پھر کسی منزل پر آسنا نہ کریں گے، ان کا تو دستور کرم اَوْ لَیْسَ لَکَ تَسْلٰوٰی اَلْیٰسَیْنِیْمُ حَسْبَکَ ہے، یہی صرف یہی نہیں کہ نہ ایمیں اور گناہوں کو معاف فرما دیں، بلکہ ان کی جگہ صیانت اور تحلیاں لکھ دیتے ہیں۔ میں اسی امید و ظلم کے ذہنی مکالے میں کھو جاتا تھا کہ دلی بند کا دشمن آگیا، اقربا، اصحاب کا ایک مجمعِ نظر چارو غریب کر دشمنی پر آیا ہوا تھا، میرے سال کے چھترے ہوئے دوستوں عزیزوں

(۱) حق تعالیٰ ہر حال ہے۔ جانتے

کی نئی ملاقات کا مقرر گریب پڑ گیا تھا۔

ملاقات کے بعد تاجگوں پر سوار ہونے تو آپ میرے سامنے یہ کھٹکھٹاتی کہ قیام کہاں ہو؟ عزیزوں میں چار افراد ایسے تھے کہ ہر ایک کا قیام اپنے یہاں قیام کا تھا اور یہ چاروں سہا پند رنگ پہنچے تھے۔

میرے برادرِ مزارع مولانا محمود احمد صاحب مدرس دارالعلوم اور خواجہ زادہ مولانا سید حسن صاحب مدرس دارالعلوم اور برادرِ نسبی مولوی انوار کریم صاحب اور ایک قیمتی بھائی انوار الحق۔ آخر اللہ کریم بھائی دہرودان کے ایک صاحبِ حیثیت دیکھیں کی اولاد ہے، مگر تقسیم ملک کے حوادث دہرودان میں مسلمانوں کے قتل عام کے وقت وہ، لیکن اپنے بچوں کو لے کر ہائل بے سرو سامان دوج بند آگئی تھی اور اسی حالت میں اپنی زندگی گزار رہی ہے، مجھے اپنے قیام کے لئے سب سے زیادہ مستحق بنی نظر آئے، مگر دوسرے روز جب ہر وقت آنے والوں کے کلام کے لئے ان کے مکان پر جگہ نہ رہی تو ان سے اجازت لے کر مولانا محمود احمد صاحب کے مکان پر قیام کیا، جن کا مکان اپنے ہی قدیم محل میں واقع ہے۔ مولانا موصوف مجھ سے چند سال چھوٹے مگر علم و فضل میں دارالعلوم کے استادوں میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

دوج بند میں کیا دیکھا؟

سب سے پہلے محل کی اس تاریخی مسجد میں پہنچا جو سلطانِ مغلوں کے زمانہ کی بنائی ہوئی جانتا مسجد تھی۔ اور مجھے کراچی کے قیام میں اس کا برابر

ذیل نگار رہتا تھا کہ میرے بعد کہیں وہ غیر آباد نہ ہو جائے، کیونکہ اس کا محل تاج بندوں کا محل ہے، اپنے محل میں مسلمانوں کے چند مکان تھے، جن میں سے بھی کئی پاکستان منتقل ہو گئے تھے۔

میں نے اپنے بعد برادرِ موصوف مولانا محمود احمد صاحب کو اس کا حوالی دیا تھا، مسجد میں جا کر بڑی خوشی ہوئی کہ موصوف کے صحنِ انتظام سے مسجد کا کلام اب بھی طرح میں رہا ہے، لہذا جن کی حاضری بھی اس جگہ کے لحاظ سے قیمتی ہے، اپنی عام نیائی چوٹی ٹکڑ ہو کر یہ حقیقت سامنے آگئی کہ۔

لدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ باز ہے کس کی

ہزاروں اٹھ گئے رفتی وہی باقی ہے بھلن کی

نماز کے بعد عزیزوں سے ملاقات کے لئے شہر میں نکلا تو بہت سے اچھے خاصے بے رفتی مکانات کو کنڈر، پاپا، قبضوں کی جگہ خاموشی دیکھی، بہت سے غیر آباد کنڈروں پر شاندار محلات بنے دیکھے اور ان کی خاموش گھاواں میں چمچ پھیل چکی، بچوں کو بچوں اور بچوں کو بڑا پاپا، اکثر اکابر و اصحاب جن کے دم سے دوج بند کی رفتی تھی وہ اپنے جن اصلی میں نکلی چکے تھے، ان کی جگہ ایک نئی مخلوق آباد تھی، اور کوئی کہوں کر بھی یہ یاد نہیں کرتا کہ اب سے چند سال پہلے جو لوگ اس مکان، زمین، سارا اور اقتدار کے مالک تھے وہ کہاں گئے اور میں کہاں جاتا ہے؟

میں ابھی تک اپنے اصلی مکان کو دیکھنے نہیں گیا تھا، مگر ایک ارادہ کا

شعر جو میں نے اپنے جانے ہوئے مکان کے دروازہ پر بطور کتبہ کندہ کر رکھا تھا وہ ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آ گیا، اور یہ شعر خانہ میرے استاذ محترم حضرت مولانا سید امیر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند کا ہے ۔

دنیا کا کچھ قیام نہ سمجھو کہ خیال

اس گھر میں تم سے پہلے بھی کوئی مقیم تھا

لڑایوں اور چاندیوں کے مکانات میں پکایا، گزاریے ہوئے زمانہ کے واقعات ان میں آنے جانے، چلنے پھرنے، انحصار و بے دردی، محبت و عداوت، شک و شکایت کے ہزاروں واقعات کا سیلاب تھا جو نہ آیا، گویا ایک بھولا بوا خواب یاد آ گیا اور دل نے کہا دیکھ لے یہ حقیقت ہے اس دنیا اور اس میں فتنے آنے والے سرد و گرم حالات اور مفید و مضر واقعات کی جن کی خاطر بے شمار دن اور رات سوچ اور فکر میں صافحت کی تدبیروں میں جلب و صفت اور دماغ مسخر کی فکروں میں گزاریے تھے، آج وہ سب خواب و خیال ہو گئے، سوچنے سے بھی بے شکل یاد آتے ہیں، قرآن کریم کا ارشاد آگھوں کے سامنے آ گیا: ”مَا عَنْدَهُمْ نَفْسٌ ذَا ذُنُوبٍ“ یعنی تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ختم ہو رہا ہونے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ سب باقی رہنے والا ہے۔

آیت مذکورہ کی تفسیر

استاذ محترم حضرت مولانا سید امیر حسین صاحب کوارٹر مرقہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے پاس جو چیز ہے اس میں صرف بھی ملازمت اور

محسوسات مرہو گئیں، کچھ دینی اور دنیوی، اور رنج و رامت سب اس میں داخل ہیں، اور ابشار قرآنی کے مطابق دنیا کی یہ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں، باقی رہنے والی ایک ذات اور وہ چیزیں ہیں جن کو اس نے باقی رکھا۔

اپنے متروکہ مکانات میں داخلہ اور اس کے جاؤ اثرات

رفتہ رفتہ اپنے ہدی مکان میں پہنچا جہاں وہ لیکن اپنے حصہ پندی کی حیثیت سے مقیم ہے، اس کے باقی حصے سکولوں کے قبضہ میں ہیں، اور وہ ہر وقت اس کے پیغام ہو جانے کے غطرہ سے کھلی رہتی ہے۔

یہ لیکن اپنے گزاریے کی حطرات میں جلا، مکان کی مرمت کون کرتا، کھینکے گر رہا ہے، کھینکے ٹوٹ رہا ہے، ایک کھنڈر کی صورت دیکھی، کچھ دل بھر آیا، مگر اس وقت تک مواظف و مہر کے جو واقعات سامنے آچکے تھے، وہ ذریعہ تسکین بنے، اس کے ایک ایک اٹیچ پر بیٹے ہوئے دلوں کے بڑانے واقعات کا ایک طوفان سامنے آ گیا، اس کے درد و رنج اور رنج و رامت، پیش و آراء، دکھ سکھ کے بیکروں قہقہے جانے لگے، کتنی سرسبزی اور کھلیں اس میں گزر گئیں، مگر مغموم ہوا کہ وہ سب خام خیالی کے سوا کچھ نہ تھا ۔

دورانِ جا پو پاو صحرانِ کجوش

گلی و غلی و ارشت و زلیا کجوش

پاسِ اعراس کی قحی کہ اس میں جو گناہ اور ماضی سرزد ہوئے ہیں  
 ذرا ہے کہ وہ کھینکے نامہ اعمال میں باقی نہ ہوں، جنہ کو یہاں کی ہوا و فضا

نے دیکھا کہ رکھا ہے اور ذرا دیر میں اس پر شاہد ہیں۔

ایک گھنٹے میں بیٹھ کر کچھ دیر انتظار کیا، اللہ تعالیٰ سے چاہا مگر اس کے بعد اپنے ٹائے ہوئے جدید مکان پر پہنچا جس میں اس وقت بعد از چار گاہی وطن کے چھ خانہ کی آبادی تھی، انہوں نے اندازہ کرم میرے لئے مگر کاروبار کو مکمل دیا اور مکان کے اندر آنے کی لٹریٹی اجازت دے دی، اندر داخل ہو کر دیکھا تو دروازہ پر میرا کندہ کیا ہوا شعر ہر ستر کا نظم ہے۔

دنیا کا کچھ قیام نہ سمجھو کہ خیال  
اس گھر میں تم سے پہلے بھی کوئی مقیم تھا

معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے اس کی قدر کی۔ ہر حقیقت یہ ایک ایسا مراقبہ ہے کہ اگر انسان اس کو جتنی نظر رکھے تو کبھی دنیا کی دولت و ثروت اس کے لئے لغزشی پانہ بنے۔ میں نے مکان کے اندر ایک پختہ چہرہ نماز کے لئے بنا رکھا تھا ان لوگوں نے اس کا بھی احترام قائم رکھا، کہنے لگے ہم اس پر صرف کھانے پینے کی چیزیں دیکھتے ہیں، اس کی بے ادبانی نہیں کرتے۔

اس نئے مکان کی تعمیر اگرچہ مکمل اس سال ہوئی تھی جس سال وطن سے ہجرت کی فوجت آگئی اور مکمل ہونے کے بعد اس کو رہتے، استعمال کرنے کا کچھ موقع نہ ملا تھا، لیکن تحلیل سے پہلے بھی چند گھنٹے اس کی ہر چیز اپنی مرضی اور ضرورت کے مطابق بنائی تھی، اس میں جو دن گزارے گئے وہ راضی و آرام کے گزارے، آج تیرہ سال کے بعد اس میں داخل ہو کر اس میں بیٹھ کر دیکھنے والے دن رات کا پتہ کبک مٹھ رہا ہے آگیا اور ساتھ ہی یہ حقیقت

بھی کہ۔

جس نقاشی غفلت ہی غفلت پیش کا دن کچھ نہ تھا  
ہم اسے سب کچھ گھٹتے تھے وہ لیکن کچھ نہ تھا  
میری ہلک کوئی اور ہوتا تو اس گھر کو کچھ کراخبر مرہم کا یہ شعر پڑھتا۔  
گروں کے حتم دیکھے آلا ہوا گھر دیکھا  
دیکھا تو نہ جانتا تھا پھر مگر دیکھا  
لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہر انہیں ہو سکا کہ گھر سے نکلنے کے ساتھ ہی  
اس نے گھر کو میرے دل سے ایسا صاف نکال دیا تھا کہ مجھے یہ بھی یاد نہیں  
رہا تھا کہ اس کے کس کمرہ میں کیا کیا چیزیں تھیں، دروازے کتنے،  
الہام پاں کہیں ہیں۔

اس نے اپنے ٹائے ہوئے محبوب مکان کو دوسروں کے ہنسنے میں  
خس نہیں کر دیکھا۔  
میں ہجرات کی دو پہر کو دیر بند پہنچا تھا، انکا دان ہوا کا تھا، شہر کے  
خارجہاں اور دوستوں کا ٹھکانا ہوا کہ طلبہ و نماز جو میں پڑھا تھا اور بعد  
از نماز کچھ تحریر ہو جائے، ان کی قصائد محبت کے اصرار سے طر نہ تھا، نماز  
جو کے بعد ایک گھنٹہ تحریر ہوئی جس میں ضروری نصائح تھے۔

بزرگانِ دیوبند کے مزارات

پہنچی کے سوچو، اعزاء و اصحاب سے سرسری ملاقاتوں کے بعد نماز  
کیا تو ثابت ہوا کہ اکابر و اصحاب اور اقرباء و اقرباء کی بہت بڑی تعداد ہے

انہی کے دم سے دوجہ کی رہائی اور اپنی دل بھگی قائم تھی۔ آج ان کا یہاں کہیں نام و نشان نہیں، بچوں کا ذکر کرنے والا بھی اب کوئی موجود نہیں۔

ان کی صورتیں اور سیرتیں آنکھوں میں بھرے لگیں۔ ان کے خیال نے ہستی سے باہر نکلا، مشکل کا رخ کیا کہ ان کی تربیتوں ہی سے طاقت کا کچھ فائدہ اٹھایا جائے۔

اس حرکت خیال نے محض قبرستان کے ایک ایسے جہاں میں پہنچا دیا جہاں علم و فضل، زہد و عبادت، ذکاوت، ذہانت کے آسمان مرفون تھے۔

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے!

جہاں صورت و سیرت، دولت و ثروت اور اقتدار و اختیار بھی مٹی کے ڈبیروں کی شکل میں نظر آئے۔

والد ماجد کی قبر پر

سب سے پہلے والد ماجد مولانا محمد نعیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حواہ حاضر ہوا، ان کا ایک جملہ جو صرف وفات میں فرمایا تھا، اور میں اسے کبھی نہیں بھولتا، اس وقت مختصر ہو گیا، فرمایا تھا کہ۔

تفصیل امر نے دلوں کو بھول تو جایا ہی کرتے ہیں، مگر اتنی بات کہتا ہوں کہ جلدی نہ بھول جانا۔

والد مرحوم کا یہ جملہ اٹھا جائے کیا چچا چچی کہ آج کلکوں سال کے بعد بھی میں معلوم ہوتا ہے کہ اسی وقت فرما رہے ہیں۔

والد مرحوم دارالعلوم دوجہ کے قرن لال کے طالب علم تھے،

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس دارالعلوم، حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلوی، حضرت خواجہ محمود صاحب دوجہ، شیخ الزبد حضرت مولانا محمود من صاحب دوجہ، رحمہ اللہ سے علوم حاصل کئے۔ حضرت حکیم الامت سیدی مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت حافظ مولانا محمد احمد صاحب بہتم دارالعلوم و مجرہ حضرت ہم سبق تھے، تحصیل علوم سے فراغت کے بعد عقب العالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب کلکوی قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل کیا اور کلکوی کی حاضری کو سراپہ سعادت سمجھا، اکثر پانچواہ سطر ہوتا تھا۔

اپنے شیخ کے عاشق تھے، ہوش سنبھالنے ہی کمر میں حضرت کلکوی اور دوسرے بزرگوں کے ذکر سے روزانہ چارے کانوں میں جاتے تھے، جس نے دل میں بزرگوں کی عظمت و محبت کی حق برداری کی۔

علم و فضل کے اونچے معیار پر ہونے کے باوجود مساجد کے زمانہ میں کسی وقتی ضرورت کے حالت میں فارسی کی خدمت میں لگا دیا گیا تھا، تمام عمر اسی خدمت میں گزار دی۔ قبہ دوجہ کا شاہی ہی کوئی گمراہ جو جس میں ان کے شاگرد نہ ہوں، دانا سے لے کر پتوں تک کی تعلیم ان کے ذریعے ہوئی، دوجہ سے باہر بھی بڑا دل شاگرد ہیں۔ حق تعالیٰ نے بزرگوں کی صحبت سے ان کی تعلیم میں یہ برکت عطا فرمائی تھی کہ جس نے کچھ بھی پڑھا لیا بے کار نہیں رہا۔

ان کے حصول ہی تم عزیز مثنیٰ منظور احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر

تھی، اس پر حاضری ہوئی، موصوف والد ماجد کے ساتھ دہہ قاری کے مدرسہ میں تھے، حساب و کتاب اور ریاضی کی تعلیم کے بارے میں پوچھا کرتے تھے، والد مرحوم کی طرح ان کے بھی بڑا دل شاکرہ ہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ

اس قبرستان کے سب سے مقدس بزرگ جن کے نام سے قبرستان معروف ہے، باقی دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کا حوا ہے۔ مولانا موصوفؒ کی وفات پوری ولادت سے بہت پہلے ہو چکی تھی، مجھے ان کا زمانہ نصیب نہیں ہوا، مگر دارالعلوم میں رہ کر جو کچھ لکھا ہے وہ سب انہیں کے خزانہ کرم کا ایک حصہ تھا۔

وہ علم و فضل اور اُردو و فتویٰ کے آفتاب تھے، ان کا ذکر حاجہ خدیجہ نہیں، ان کی مختصر سوانح حیات تو ان کے ہم عصر بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت تحریر فرمائی تھی، پھر حال میں مولانا مناظر امین کیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں ایک مفصل سوانح لکھی، دو تین ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، لیکن یہ حضرات حضرت موصوفؒ کے حالات سے واقفیت رکھتے ہیں ان کا بیان ہے کہ اب بھی جو کچھ صفحات قرعاس پر آیا ہے وہ محض ایک نمونہ کی حیثیت سے زمانہ نہیں۔

حضرت مولانا محمد احسن صاحبؒ

حجۃ الاسلام کے برابر ہی درجہ کے محترم اور احسن القوادہ وغیرہ

لکھنؤ کے موصوف مولانا محمد احسن صاحب نور اللہ مرقدہ کا حوا ہے۔ موصوف مولانا موصوفؒ (نانوتوی) کے ہم قرن بزرگوں میں سے ایک جامع کمالات بزرگ ہیں، ان کا تذکرہ گراہی میں محترم دوست محمد اعجاز صاحب نے لکھا ہے، جو مقرب شائع ہوگا۔

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ

مولانا موصوف کے پالانہ میں چند عظیم بزرگوں کی قبریں ہیں، ان میں سب سے مقدم شیخ الہند سیدی حضرت مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ ہیں جن کی ذات گراہی کسی مسلمان کے لئے حاجہ خدیجہ نہیں۔ حضرت نانوتوی باقی دارالعلوم کے خاص شاگرد اور سر و سر کے رفیق تھے، ان کی وفات کے بعد حضرت تھکوی قدس سرہ کی صحت اختیار فرمائی اور انہیں سے بیعت طریقت کی اجازت حاصل ہوئی۔ مگر کا پڑا حصہ دارالعلوم دہلی بندہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے فطیعی خدمات میں صرف فرمایا، آپ کے بڑا دل علاوہ میں سے بیکروں کی تعداد ایسے علاء کی ہے جو اپنے زمانہ کے عقائد ماننے لگے، جنہوں نے علم و فضل کے برسر میدان میں نمایاں کام کئے۔

حمر کے آخری دور میں کن جالب اللہ چند یہ جہاد سارے مشاغل پر غالب آ گیا، اور اس پر پانچویں بزرگ نے اپنے مجرہ میں بیٹھ کر جو سوچنا شروع کر دیا کہ ہندوستان کو اگر یہاں کے ہاتھ سے رہائی اور اسلامی حکومت لانے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اس سلسلے میں جو کچھ ہوا اس کا مختصر خاکہ آپ کے خاص شاگرد حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ

نے "سُورَةُ الْاَنَامِ" کے نام سے بیچ فرمادیا ہے اور مستحق سونے اس حدیث حضرت حضرت مولانا سید امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "حیاتِ شیخ الہند" کے نام سے شائع فرمادی ہے۔

احقر نے حضرت کا زمانہ پایا مگر غلطی کا کھڑا اس لئے نہیں ہو سکا کہ میں اس وقت متوسط کتابیں چڑھتا تھا مگر حضرت قدس سرہ کے ساتھ فقہی محنت و محبت مجھے اکثر ان کے درسی بخاری میں لے جایا کرتی تھی۔

قیہ بانا سے پہلے دو سال تک رمضان المبارک میں حضرت مروج کے ساتھ رات بھر کی تراویح میں شرکت کا شرف حق تعالیٰ نے عطا فرمایا، بانا سے واپسی کے بعد حضرت ہی سے بیسے سلوک کا شرف حاصل ہوا جبکہ احقر دارالعلوم میں ابتدائی مدرس کی حیثیت سے خدمت تعلیم میں مشغول تھا۔

حراز مبارک پر حاضری کے وقت حضرت قدس سرہ کی شفقتوں اور توفیقوں کا ایک وسیع میدان سامنے آ گیا۔

حضرت شیخ الہند کا ایک زریں کلمہ

اور قیہ بانا سے واپس تشریف لانے کے بعد رمضان المبارک کی ایک رات میں تراویح کے بعد دارالعلوم کے قیہ دارالافتاء کی صحبت پر عطا و فضلہ کے ایک عظیم فیض کے سامنے آپ کے فرمانے ہونے دو پہلے، جو مسلمانوں کی ساری مشکلات کا کھج کل ہیں، مختصر ہو گئے، ان کو یہاں بھی بعض عطا دے لکھتے ہیں، ارشاد فرمایا کہ:-

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہم نے تو قیہ بانا کی کتابیں اور اس کی چار سالہ زندگی میں صرف دو سبق لکھے ہیں۔ لہٰذا یہ کہ مسلمانوں کی تمام مصائب و آفات کا اصلی سبب یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا اور طلاق بھی اس میں گھس رہے کہ پھر اس کی پوری جدوجہد کی جائے کہ قرآن کریم کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے، کسی مسلمان کو اس سے غافل نہ چھوڑا جائے کہ روزانہ دیکھ لے کہ تلاوت قرآن کیا کرے، معافی لکھ کر پڑھے تو بھائی اللہ ورنہ بے کلمے چڑھتا بھی ایک عظیم ثورہ برکت اور مسلمانوں کی صلاح و طہارت میں ایک خاص اثر رکھتا ہے۔ بچوں کے کتاب قائم کئے جائیں، بڑوں کو قرآن پڑھانے کا انتظام کیا جائے، اور عبادی عربیہ کے درسی تحفہ کے علاوہ عوامی درسی قرآن مختلف محلوں میں ہر شہر میں قائم کئے جائیں تاکہ عوام کو دیکھ لے کہ مطالعہ قرآن سے آگاہی ہو۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے آپس کے اختلاف کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔

یہ وہ کلمہ جو علوم اسلامیہ کے اس دریا سے ناپیدا کنار نے پوری عمر درسی و تدریس اور تعلیم میں صرف کرنے کے بعد پندرہ سال سے زائد عمر میں قیہ بانا کے غلوٹ خانے سے حاصل کئے ہیں، اس کی قدر و منزلت پہچانے

کہ یہ کوئی آکسیائی چیز نہیں خالص الہامی ہے، اور خود کریں تو ہمارے تمام موجود مصداق کا عمل اسی میں مضمر ہے۔ چنانچہ خود حضرت مودع نے الہامی عمر کے باقی ایام میں انہیں دونوں مقصدوں کو سامنے رکھ کر کام شروع کیا، اور دینی قرآن خود شروع کر دیا جس میں حاضری کی سعادت احقر کو بھی حاصل ہوئی مگر بالسن کہ اس وقت یہ غریب ہونے والا آقا آپ اقلی کے قریب پہنچ چکا تھا اور چند روز بعد ہی غریب ہو گیا۔

حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ

حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے متعل حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر ہے، اس پر حاضری ہوئی۔

حضرت مودع کی ذات گرامی ایک بین الاقوامی طبیعت رکھتی ہے، عرب و عجم میں مسلمان تو مسلمان بہت سے غیر مسلم بھی آپ کے کلمات سے بہت خیر نہیں۔ آپ نے بڑا اکرم فرمایا کہ اپنی ساری حیات خود اپنے علم سے قریب فرمادی جو ”مقتل حیات“ کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، بعد میں اور بھی کچھ حضرات نے آپ کے نظریات کو لکھ لکھ کر لکھے ہیں۔

حک کے پاسی نظریات میں مجھے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی کے تابع آپ کے نظریات سے اختلاف رہا، لیکن آپ کی عظمت شان اور کلمات مجھ اللہ بر حال میں متحضر رہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ احسان میں کبھی نہیں بھول سکتا کہ مجھے دینی حدیث کی خدمت پر سب سے پہلے انہوں نے لگا دیا، جب آپ طبیعت

میں تشریف رکھتے تھے وہاں حدیث پڑھانے کے لئے ایک مدرس کی ضرورت پیش آئی، مجھے والا ناصر قریم فرما کر بلایا، میں نے خود کیا کہ اس وقت تک دارالعلوم میں مجھے کبھی حدیث پڑھانے کا اتفاق نہیں ہوا، میرا تعلق زبیرہ تر ادب اور دوسرے فنون رہے، اس پر فکرتے کا اظہار کیا کہ ایسا کیوں کیا حدیث کی تعلیم کو ضروری سمجھو، پھر دعوے پر تشریف آوری کے وقت دوبارہ وہ حکم دیا، میں نے خود کیا کہ حضرت اہماں استاد محترم حضرت شاہ صاحب دینی حدیث دیتے ہوں، وہاں ایسا اتفاق کون ہوگا جو مجھ سے حدیث پڑھنے کو گوارا کرے۔ فرمایا: نہیں اگلی نہ کوئی کتاب حدیث کی ضرور پڑھالیا کرو۔ اور پھر بار بار اس کا ٹھکانا فرمایا، بالآخر دارالعلوم کی طرف سے سب سے پہلے موطا امام مالک کا درس میرے سپرد ہوا اور اس کے بعد دوسرا حدیث کی دوسری کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی۔

مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحبؒ

آپ کے قریب ہی عارف باللہ مفتی اعظم استاد محترم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب کا حوزہ ہے، اس پر حاضری کے وقت آپ کی مقدس سیرت و صورت اور بزرگوں کلمات کا بھاری دامن کا چابھ ہونے کے ساتھ ان کی سادگی اور تواضع ایک حکیم و کریم بزرگ کی صورت میں گویا ایک مجھڑے ہوئے خادم کی حیثیت خاطر کرتے تھی۔ دارالعلوم میں نواسے کے لئے مستقل مہمہ آپ ہی کی ذات گرامی سے شروع ہوا، اس سے پہلے دارالعلوم کے مودع مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ہی نواسے کی



خدمت الہام، دیتے تھے، کوئی مستقل مفتی نہ تھا، اس لئے دارالعلوم کے سب سے پہلے مفتی آپ ہی ہیں۔ آخر نے مفتیوں، جہانگیر، وغیرہ کو بھی آپ سے چڑھی تھیں اور فتویٰ نویسی کا بہت کام بھی آپ کی زبردستی کیا تھا۔

آپ بھی دارالعلوم میں قرنی اقبال کے طالب علم اور قرنی دینی کے استاد تھے۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ تشیخہ یہ میں مشائخہ سلوک ملے کر کے ان کے حلیفہ نماز ہوئے۔ آپ کے تقاضات کا طویل سلسلہ ایک طرف بڑاوں شاگردوں کی صورت سے دنیا میں پھیلا، دوسری طرف فتاویٰ کی خدمت سے، تیسری طرف ارشاد و سلوک سے۔ حضرت قادری محمد اسحاق صاحب میرٹھی آپ کے معروف خلفاء میں سے تھے، جن کے حلیفہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدینہ آج بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں علم و معرفت کی خدمات الہام دے رہے ہیں، اور آپ کے بڑے صاحبزادے مفتی شکیل الرحمن صاحب نے وطنی میں عروۃ المصطفین کے نام سے علوم دینی کی اہمیت کا ایک بہترین کامیاب ادارہ قائم کیا ہوا ہے، اور چھوٹے صاحبزادے قادری علیل الرحمن صاحب دارالعلوم دہلی ہند میں توبہ و قنوت کے مدارس ہیں۔ علم و فضل اور تقویٰ کے اونچے معیار کے ساتھ سادگی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ چاروں کے گھروں کا بھی سورا سلف اور ہزاری ضروریات خود ہاڑا سے فریاد کر لاتے اور ایک ایک کو پہنچاتے تھے، غصے کے ساتھ شلف کا یہ عالم کہ وفات کے وقت ہی ہاتھ سے غم

پھوٹا اور فتویٰ سید پر ہوا۔

مفسر ہے کہ اس سوانح قادری کی گرم ہادری کے زمانے میں بھی اس عظیم شخصیت پر کسی نے کچھ نہ لکھا اور یہ موقع بھی سوانح لکھنے کا نہیں ہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم علم و فضل کے انہیں سپرد میں ایک قبر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم کی ہے، جن کے حسن تدفیر اور حسن انتظام نے دارالعلوم کو بام عروج پر پہنچایا اور پورے دارالعلوم کی انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ ان کے علمی کمالات اپنی جگہ تازہ تھے۔ ان کی مشہور و معروف تصنیف ”اشاعت اسلام“ ان کی وسعت معلومات اور تحقیق نظر کی کافی شہادت ہے۔ عربی زبان کے بہترین ادیب تھے، ”قصیدہ لامیۃ المعجزات“ اور متعدد قصائد آپ کے طبع ہو چکے ہیں، ان سے اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ میری تعلیم و تربیت میں ان کی حمایت کو بڑا مل ہے۔ یہ عظیم انتظامی شخصیت بھی انہی بڑاؤں علماء میں سے ہے، جن کو تاریخ و سوانح کی ڈانٹا نے بکسر بھلا دیا ہے۔ آپ ہی کی قریب پہنچ کر اور اس کو شکست حالت میں دیکھ کر غم ہوا میں نے ایک عربی نظم لکھی تھی جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

اَلْهٰذَا الَّذِیْ اِنْ عَشَدَّ جَدْبًا      لَمَّا عَصَا الْهٰذَا خِزَالًا

اے اس قبر کے پاس کھڑے ہونے والے، جس کو سخت

ہوا میں اور تیز بارشوں نے جھکا دیا ہے۔

الْقَهْلُ نَعْلَمُ مَا هَذَا الْقَهْلُ نَوْهْلُ نَعْلَمُ مَا هَذَا الْقَهْلُ  
کیا تو جانتا ہے کہ یہ مٹی کیا چیز ہے، اور کیا تو کو معلوم ہے  
کہ یہ کس کی قبر ہے؟

قَبْرُ مَنْ أَلْفَى وَوَلَّى وَالْعَزَى قَبْرُ مَنْ أَلْفَى مَوْلَانِ طَيْمَنِ  
یہ اس شخص کی قبر ہے جس نے داؤد بازی کی بیڑی کو مبدہ  
دیاد، بیڑی کو معزول کیا اور جس نے مصائب کی تکلیفوں کو  
تھکا دیا۔

قَبْرُ مَنْ جَدَّ وَصَلَّ وَالْإِنْفَى قَبْرُ مَنْ تَكُنَّ صَلَافًا فِي الْفَنَى  
یہ قبر اس شخص کی ہے جس نے سعادت کی سرحد کی، ترقی  
مائل کی، اور جو فتنوں کے وقت لوگوں کی پناہ گاہ تھی۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحبؒ

انہیں نجوم علم و ہدایت میں جو اس مقدس قبرستان میں نہ زمین  
ہیں، ایک تازہ قبر استاذ محترم شیخ الادب حضرت مولانا اعجاز علی صاحبؒ  
نور اللہ مرقدہ کی ہے۔ آپ میرے ان مساتذہ میں سے ہیں جن کی تعلیم و  
تربیت میری تعلیم کا اصل قوام تھی۔ میں نے عربی ادب کی کئی کتابیں  
مفتیہ الامامین سے لے کر محاسن تک آپ ہی سے پڑھیں، عربی ادب علم و نثر  
آپ ہی سے سیکھا۔ عربی ادب سے آپ کو کتنی شغف، اور اپنے حلقہ کو  
تعلیم و تربیت دینے میں ایک خدا داد مہارت اور برکت تھی۔

ایک مرتبہ نادیۃ الادب کے نام سے ایک ہفتہ وار مٹھرا عربی

زبان میں جاری فرمایا، جس کی صدارت استاذ اہل حضرت مولانا سید محمد  
المرشاء صاحب صدر مدارس دارالعلوم دہلی بدھ فرمایا کرتے تھے، اور استاذ  
محترم اپنے حلقہ کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنی نظم سناتے اور دوسروں کی سنا  
کرتے تھے۔

دارالعلوم میں دس و تیرہ دہائیوں کی دہائیوں طومر آپ کا شب و روز کا  
محبوب حلقہ تھا، اس کے ساتھ ادب اور فطرت کی بہت سی کتابیں پڑھائی گئیں  
جو اہل علم میں نہایت مقبول ہوئے۔

حلقہ انہوں نے دہاکہ میری حاضریت دہلی سے چند سال پہلے یہ شفق  
استاذ بھی رحلت فرما چکے تھے مگر آج بھی ان کی قبر پر پہنچ کر ان کی شفقتوں  
اور محنتوں کا تصور ایک خاص رنگ میں میری دلچسپی کر رہا تھا۔

آپ کی مختصر سوانح حیات تمام ”تذکرۃ اعزاز“ شائع ہو چکی ہے۔

یہ تو ان مشاہیر اور اکابر کی قبریں تھیں جن کے نکاتات قائم اور  
معروف تھے، ورنہ اس زمین کا تو ایک ایک دانشور، طفل، ذہد و تقویٰ کا  
درخشندہ ستارہ ہے، خدا تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کتنے علماء و فضلا اس زمین  
میں آرام فرما ہیں۔

اساتذہ میں سے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاسم رسول صاحبؒ  
برادری اور حضرت مولانا مہدیا سیاح صاحب دہلی بدھ بھی اس خطہ میں مدفون  
ہیں جن کے صاحبزادے مولانا مہدالاحد صاحب آج بھی دارالعلوم کے  
اچھے مدارس میں سے ہیں۔ میری ایک حلقہ بندی اور نیکو دل عزیز و قریب

اور ہم سبھی ہم عصر ہی غیر آبادی میں بستے ہیں، مگر ان میں بہت سوں کی قبروں کے نشان ہی ختم ہو گئے اور بہت سے بچائے نہیں گئے۔

بادشاہ شیعہ مصلح قسمی یہ پرانے کی خاک  
مچ تک وہ بھی نہ پہوڑی تو نے اسے یاد کیا

ہاں! میرے عزیز بھائی مولانا سید حسن صاحب مداح دارالعلوم  
ساتھ تھے، انہوں نے اپنے والد ماجد مولانا سید حسن صاحب مرحوم کی  
قربت تک مجھے پہچان دیا، مولانا موصوف میرے استاد بھی تھے، بہنوئی بھی،  
اور ہر وقت ساتھ رہنے کے اعتبار سے ایک بے غلط دوست بھی۔ حرمِ  
تعلیم آپ کی پورے دارالعلوم میں ضرب المثل تھی، اسی طرح قانون ریاضی  
تحت وغیرہ کے ممتاز استاد تھے، آپ کے باپ صاحبزادے ہیں جن میں  
جسے صاحبزادے مولانا سید حسن صاحب ملو آج بھی بھائی دارالعلوم  
کے قابل اور مقبول استاد میں سے ہیں۔

مولانا سلف حضرت مولانا انور شاہ صاحب نور اللہ مرقعہ  
اس قدیم قبرستان سے بہت کچھ قائل پر عید گاہ کے قریب دیکھا  
میر حافظہ حدیث کوٹ سلف استاد مکرم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ  
صاحب قدس صرف ساتھی صدق مداح دارالعلوم دوعین کا حجاز ہے۔

یہ پکارت روڑ گارہی اسی زمانے میں زمانہ سلف کے حافظ حدیث  
کی یادگار تھی، علوم قرآن و سنت اور اس کے تمام محقق قانون مقلد اور  
تبعہ میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے، پھر مبارک دیکھ کر خدا یاد آتا تھا۔ میں اس

پر بھٹا فکر ادا کروں کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے درس کی حاضری  
اور تلمذ کا شرف عطا فرمایا، مگر بھاری عود جامع ترقی آپ سے چڑھی، اس  
کے علاوہ غلط سہارے کی ایک کتاب اور دروس البلاغہ آپ سے چڑھی اور  
فنِ طب کی مشہور کتاب ”نظمیں“ بھی۔ یہ سب کتابیں آپ کے زہرِ درس  
نہ تھیں مگر ہم چند علماء کی خاطر خصوصاً درس ان کتابوں کا قبول فرمایا تھا  
اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ساٹھ سال آپ کی خدمت و صحبت سے  
استفادہ کا موقع عطا فرمایا۔

دلِ علم کے لئے آپ کی ذمتِ علاجِ عارف نہیں، آپ کی مصلح  
سوانح حیات عربی زبان میں عام ”سطحہ العصور“ اور اردو میں عام  
”حیات انور“ شائع ہو چکی ہیں، ان سے کسی قدر آپ کے بے نظیر علمی  
کارناموں کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ

ان دونوں قبرستانوں کے قریب ہی ایک جہانِ قبرستان عارف  
پاؤ حضرت حاجی عابد حسین صاحب دہ بخدی رفقہ اللہ علیہ کا ہے، یہاں بھی  
حاضر ہوں۔

موصوف اپنے نگاہی و باطنی کمالات کی وجہ سے اس قرن کے  
مشاہیر اولیاء میں سے ہیں، میں نے انھیں میں آپ کی زیارت کی ہے،  
لیاں صاف ستھرا مگر بہت سادہ ہوتا تھا، بیٹھ قبیلہ استقبال فرماتے تھے،  
ساتھ ہی چادر اوڑھنے کا معمول تھا، اسی سسٹن وضع میں چوری عمر گزار دی۔

دعوتِ محمدی علم وین کے لئے مدرسہ قائم کرنے کا ابتدائی تصور بھی آپ سے شروع ہوا، اور اس کام کے لئے سب سے پہلا پتہ بھی آپ ہی نے طے فرمایا، آپ ہی کے اظہار کا نتیجہ تھا کہ اس مدرسہ نے دہلی سے جیل اسلام حضرت مولانا محمد کام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور جامع مکاتبت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اور دہلی سے مفتوحات کے نام حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو منتخب کیا، اس طرح تھوڑے ہی عرصے میں اس ابتدائی کتب نے ایک دارالعلوم کی صورت اختیار کر لی۔

میاں صاحبؒ (حضرت مولانا سید احمد حسین صاحبؒ)

میرے جو اجداد آج سے اڑھت ہو چکے، ان میں سے اکثر کے حضرات دہلی ہی میں ہیں۔ بزرگ عارف باطن حضرت الاجل مولانا سید احمد حسین صاحبؒ (مفت دارالعلوم) کے کہ ان کی وفات دہلی میں واقع ہوئی، وہیں آپ کا حجاز مبارک ہے۔

ارادہ کیا کہ ان کے مکان ہی کی زبانت سے نقلی حاصل کروں۔ اتفاقاً موصوف کے دہلیوں صاحبزادے مولانا اختر حسین صاحب مدرس دارالعلوم اور حاجی بدای حسین صاحب خود ہی تھریف لے آئے، کھانے پر دعوت دی، حاضر ہوا، اجازت مرحوم کے مکان پر کھج کر ان کی خدمت میں گزار دے ہوئے نہائے اور ان کے ارشادات و افادات کی تصویر نگاہوں میں بکھرنے لگی۔

مولانا موصوف کے کلمات طبعی و عقلی کا بھرپور ایک ایسا

رنگ تھا، علوم قرآن و سنت کے بہت بڑے ماہر اور جلیل علم و فنون کے کامل محقق، مگر بہت ہلکے الکلام، حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا معلوم دل میں اتر جاتے اور شبہات خود بخود کاغذ ہو جاتیں۔ غلوٹ گزرتی اور اُرد و عبادت آپ کا مشغل تھا، صاحب کشف و کرامات تھے، ان کے کشف و کج کے بہت سے واقعات اپنے ہی ماہر آئے رہتے تھے۔

مجھ پر خصوصی مہارت اور شفقتوں کا یہ عالم کہ میں ان کے مجال کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا، میری تعلیم و تربیت میں حضرت صدر کی محبت و خدمت کو بڑا دخل ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں ہو سکا کہ اس نے ایسے بزرگوں کی محبت و خدمت سے نوازا ہے۔

حضرت میاں صاحبؒ کے چند کلمات مفیدہ

آپؒ کے سکونت مکان پر کھج کر مکان کا پڑتا قصہ یاد آیا کہ آپ کا زمانہ مکان اور نشست گاہ وہوں غام تھی کی تھی ہوئی تھی۔ ہر سال برسات کے موسم پر اس کو لپٹی تائی یا گزرتی تھی، جس میں کافی پیسے اور وقت خرچ ہوتا تھا، ایک مرتبہ میں نے کہا کہ حضرت! جتنا خرچ سالانہ اس کی لپٹی پر کرتے ہیں اگر ایک مرتبہ پتہ افغانوں سے خانے میں خرچ کر لیں تو دو تین سال میں یہ خرچ برابر ہو جائے اور بیٹھ کے لئے اس محنت سے نہایت رہے۔

فرمایا: ماشاء اللہ! بات تو بہت عقل کی تھی، ہم بڑے ہو گئے ہر عمر و صیوان ہی نہ آیا۔ یہ فرما کر پھر جملہ اصل حقیقت تھی وہ دکھائی کہ میرے چڑا

میں فریاد کے کچے مکان ہیں، میں اگر اپنا مکان پکا بناؤں تو غریب پناہوں کو حسرت ہوگی اور اتنی رحمت نہیں کہ سب کے مکان بکے بناؤں۔

اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو بکھ سوچتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس وقت تک اپنے مکان کو پختہ نہیں کیا جب تک چاروں کے مکان بکے نہیں بن گئے۔

حضرت مودع کی نشست، برخواست اور عام گفتگو ہیئت و عبرت سے خالی نہیں ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ میں اپنے معمول کے مطابق بعد از غروب حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ گفتگو مرنی میں کریں گے۔ پیشہ کی عادت کے خلاف فی ہاتہ میں کر حیرت ہوئی تو فرمایا کہ ہاتہ یہ ہے کہ مرنی زبان میں بے ساختہ کام نہ م سے ہو سکے گا، نہ لکھ سکے، اس لئے صرف ضروری ضروری باتیں ہی ہوں گی، مضامین کام سے بچ جائیں گے۔

پھر فرمایا کہ ہماری مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پاس ایک بڑا اھیلا گھنٹوں کا بھرا ہوا تھا، وہ بے دریغ خرچ کرتا رہا، یہاں تک کہ اب اس میں کچھ بقیہ نہیں رہ گئی تو وہ بڑے اھیلا سے سوچ سوچ کر خرچ کرتا ہے۔

ہماری عمر کے لمحات بکھ گھنٹوں سے کم قیمت نہ تھے، جن کو ہم نے بے دریغ خرچ کر کے غم کے قریب پہنچا دیا ہے، اب ان لمحات عمر کی قدر کر کے خرچ کرنا چاہئے۔

ایک غیب و غریب مقدس بزرگ اور عالم تھے، جن کی کسی صفت کو بھی ملو تو قرعاس پر نہیں لایا جاسکتا۔

## بہشتی کے اکابر و احباب کی زیارت

اس وقت چند چنگ میرے اساتذہ و اکابر کی تعداد قبرستانوں ہی میں رہتی امروز ہے، اس لئے ملاقات اور واقعات کی تحریر میں وہ ہی آگے آگئے۔ ورنہ جو ہمسائی اور روحانی دوستی اعتبار سے میرے اکابر اور بزرگوں کی جگہ تھی، اس حاضری کے وقت یہ دیکھ کر بڑی حسرت ہوئی کہ صرف تیرہ سال میں یہ میدان صاف ہو گیا۔

آج دارالعلوم میں میرے صرف ایک استاد محترم حضرت علامہ مولانا ابراہیم صاحب اکابر میں سے موجود ہیں، اور خاندان کے بڑوں میں صرف ایک دو بڑے بھائی، تھوڑے سے ہم مصروف کے علاوہ باقی سب تعلیمی اعتبار سے اور عمر کی حیثیت سے چھوٹے ہی چھوٹے ہیں، کوظم و فضل اور دین و دیانت میں مجھ سے بڑے ہوں، بزرگوں کا مقرر سامنے آ گیا، گفتگوئے خواتم گفتگوئے کلام، یعنی بڑوں کی سموت نے مجھے بڑا یاد پایا۔

خدمتِ مدید کے بعد ورنہ کی اس حاضری میں اساتذہ و اکابر کے ملاقات پر حاضری اور فن کے صاحبزادوں اور محققین سے ٹکرائے جاتے ہیں، ہم صر و احباب سے ملاقات بھی اس سطر کا ایک اہم مقصد تھا، ان کبھی حضرات نے کرم فرمایا ایک ناکارہ کے پاس خود تشریف لانے کی دعوت گوارا فرمائی اور ہر یک دعوت طعام کے ناقابل رد آنکھوں نے یہ صورت

اعتبار کرتی کہ کہیں کھانا، کہیں ناشہ، کہیں چائے تقسیم کرنے کے باوجود سب حضرات کی قبیل گم سے قاصر رہا۔

استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب خطیبی قدس سرہا کے دولت کدہ واقع محلہ خانقاہ میں حاضر ہو کر ایسے محترمہ کی دعاؤں اور عاجز ارکان مولانا محمد انور شاہ و مولانا انظر شاہ صاحب کی خدشات کی سعادت حاصل کی۔

مولانا حکیم سید محفوظ علی صاحب

ان کے مکان کے ساتھ میرے نہایت گرم فرما دوست ام سہیل اور رفیق خاص مولانا حکیم محفوظ علی صاحب کا مکان ہے۔ ان کی خدشات نے زبانت طالب علمی کی ہے، ہم، بے فکر زندگی کا بھولا ہوا خواب یاد دلادیا۔ حکیم صاحب موصوف وایند کے مایہ ناز مشہور طبیب حلاق ہیں، آپ کے بہت سے شاگرد، دانشاء، ائمہ نہایت کامیاب شعیب بنائے گئے، آپ نے ہیبت طبیب کے ساتھ تقسیم طب کا سلسلہ نفس افادہ خلق کے لئے جاری رکھا ہے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دولت خانے پر ان کی وفات کے بعد بجلی مرتبہ حاضری ہوئی، اگرچہ عاجز اور مولانا احمد صاحب و عزیز مولوی ارشد صاحب کی وجہ سے یہ مکان آباد اور طلباء کے اجتماع کی وجہ سے یہ رہتی تھا، مگر مولانا موصوف کی جگہ ابکی نہیں جس کو کوئی نہ کر سکے، اس لئے یہ وہاں بھی ایک صرست کدہ محسوس ہوتا رہا۔ استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے

عاجز اور جاری جلد میں صاحب کے مکان پر حاضری ہوئی، یہ وہ کیا مکان ہے جس میں استاذ محترم نے چالیس سال سے زیادہ اپنی عمر عزیز کی خدمت گزار دی اور علوم و دین کی خدمت اہتمام دی۔

دارالعلوم دیوبند میں  
دارالعلوم دیوبند

میں نے ابتدائے تقریر میں ظاہر کیا تھا کہ میرا اصلی وطن شیب دیوبند نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند تھا، کیونکہ بچپن سے بڑھاپے تک عمر کے اوقات عزیز اسی کے اساطیر میں گزرے، اسی کے لوگ بلکہ بہت سے دور کے عزیز مجھے پہچانتے بھی نہ تھے۔

آج دیوبند کی حاضری میں اکابر مرحومین کے بعد بوجہ میرے لئے سب سے زیادہ کشش کی جھی وہ دارالعلوم اور اس کے اساتذہ بالخصوص استاذ مولانا محمد ابراہیم صاحب دامت برکاتہم جو علوم قرآن و حدیث میں حضرت شیخ الہندؒ کے اور مصنفات میں مولانا قاری محمد چاکوٹی و مولانا ہدایت اللہ صاحب تلمیذ خاص مولانا فضل حق خیر آبادی کے ارشد خانقاہ میں سے ہیں، اس زمانے کے بے نظیر عالم محقق ہیں جن کے بڑا دل خانقاہ آج ہمارا میرے کے استاذ ہیں۔

اکابر کی زبہ نواری دیکھنے کے استاذ موصوف اور ان کے ساتھ بہت سے اساتذہ و خانقاہ دارالعلوم تو میری خبر سنتے ہی میرے قیام گاہ پر خود تشریف لے آئے، ان کی زیادت و ملاقات کی سعادت گھر بیٹھے حاصل کی۔

مولانا محمد طیب صاحب جتیم دارالعلوم دہلی ہند دامت قضاہ، کو کسی نسبت اور ذاتی کمالات کی وجہ سے میرے خدام ہیں۔ لیکن جتیم سے ساتھ کھینچنے اور علم پر ساتھ رہنے اور سزا و معافی رفاقتوں نے ایک عزیز دوست بنا رکھا تھا۔ وہ اس وقت سرسبز تھے دو تین روز کے بعد آڑشب میں دہلی ہند واپس آئے اور صبح ہی میری قیام گاہ پر ٹھہر گئے۔

علیہ و علیہاء کی مجلسیں

حسن اتفاق سے انہیں دونوں دارالعلوم کی مجلس شریفی ہو رہی تھی۔ جس کے ممبران اکثر میرے ہم سبق اور ہم عصر تھے۔ ان میں سے بھی بہت سے حضرات نے خود طاقات کے لئے تکلیف فرمائی، اور پھر حضرت جتیم صاحب نے ایک وقت کھانے پر ان سب حضرات کے ساتھ بیٹھنا ہونے کا مجھے موقع ملتا ہے فرمایا، جس میں ایسے ایسے حضرات سے میری طاقات ہو گئی جس کا اب اس دنیا میں ظاہر اسباب کوئی امکان نہ تھا۔

دارالعلوم میں داخل ہو کر پہلی ایک الجھپڑ دیکھا تھا کہ مجھے دارالعلوم دکھانے کے لئے حضرت جتیم صاحب کی بیوی ضروری ہوئی، کیونکہ فی تعمیرات نے تیرہ سال پہلے کے نقشے کو بہت کچھ بدل ڈالا تھا۔ دارالعلوم کے قدیم و جدید احاطوں میں شوق و رغبت اور مسرت و غم کے تضاد و بڑھات دل میں لے ہوئے دو گھنٹے تک پھر تار پڑ۔

ایک موقع پر سب سامنے پر شعر زبان پر آ گیا ۔

اما السحاب فأنها كعصافهم      والری وحال البی غور و جالها

حضرت جتیم صاحب کی معیت میں سے مصری استاد نے طاقات ہوئی جو طلباء کو خاص انداز میں عربی زبان سکھانے کی خدمت اہام دیتے ہیں، علمی قابلیت کے ساتھ حیثیت اعلیٰ کے آثار و کچھ کر پڑی مسرت ہوئی۔

دارالافتاء اور اس کے آثار باقیہ

پیر آپ کے ساتھ ہی دارالافتاء کی جدید عمارت میں حاضری کا موقع ملا، صدر مفتی حضرت مولانا مہدی حسن صاحب اور نائب مفتی مولانا قاضی مسعود صاحب و مولانا محمد جمیل صاحب اور مولانا کے دوسرے حضرات سے طاقات ہوئی، مولانا مفتی مہدی حسن صاحب دھکلا سے نیاز قدیم زمانے سے حاصل ہے، جبکہ آپ سورت میں قیام فرماتے تھے۔ اور مولانا قاضی مسعود صاحب تو گویا دارالعلوم کے دارالافتاء کے مجدد ہیں۔ میرے زمانے سے بھی پہلے سے مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب کے بعد ہی سے انہوں نے خدمت فتویٰ دارالعلوم میں شروع کی تھی، اب تک بدستور خدمت میں مصروف ہیں۔

دارالعلوم کا دارالافتاء، پیر سے ملک کا ایک اہم دینی مرکز ہے، جس کی طرف علمی مساکین مل کر آنے کے لئے لگاتار اسلام کے ہر گوشے کا زور ہے، اس میں ابوائے دارالعلوم سے آج تک جس قدر فتاویٰ مختلف زبانوں میں شہذہ عقیدوں نے لکھے ہیں وہ سب کے سب جتیم جلدوں میں محفوظ ہیں، جو ایک عظیم الشان ذخیرہ ہے، صرف میرے زمانے کے لکھے ہوئے رسائل کی تیرہ جلدیں ہیں جن میں سے صرف ایک رسائل کے

قادر سے مطلوبہ قادیانی دارالعلوم ریجنڈہ میں تمام اعداد و اعداد اعلیٰ تھیں آٹھ جلدوں میں شائع ہوا ہے، جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کس قدر عظیم الشان علمی ذخیرہ ہے، کاش! اس کی اشاعت چلدی ہو جائے تو اس زمانہ کا قادیانی عالمگیری ثابت ہو۔

### کتب خانہ

دارالعلوم کا کتب خانہ بھی اہل علم کے لئے ایک جیب دارغ و بہار ہے۔ ملک کے ممتاز کتب خانوں میں سے ہے، مجھے اپنے زمانہ طالب علمی سے ہی کتب خانہ کے ساتھ شغف تھا، بطور تعلیم اور تفریح کے زمانے میں تو یہ فہرست آتی کہ کسی علم و فن کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس کو کم و بیش مطالعہ نہ کیا ہو، ذرا فرصت ملتی تو کتب خانے میں بیٹھتا تھا، آج بھی یہ کوشش اس طرح لے گئی، ضمن الحاق سے کتب خانے کے محلے میں اس وقت تک کوئی اہم جدلی نہ تھی، مولوی سلطان الحق صاحب جو میرے زمانہ ہی سے عالم کتب خانہ ہیں، اس وقت تک مصروف خدمت ہیں، آپ نے دارالعلوم کے جدید اضافوں اور نئے آنے والے کتب خانوں کی اعلیٰ سیر کرانی خصوصاً فقہی کتب پر قدرے تفصیلی غور فرمایا، یہ جگہ میری دلچسپی کے لئے ایسی تھی کہ میٹھوں کا قیام بھی اس کے لئے کم تھا، اس وقت اس کی اعلیٰ زیارت بھی بڑی فہمت معلوم ہوئی۔

دارالعلوم میں ایک دوسری حدیث

دارالعلوم کے مولود علماء کی ان دیکھی محنت سے حیرت ہو گئی کہ وہ

ہر جگہ بڑی محنت سے ملنے اور ہفتی ہفتی میری قیام گاہ مولانا عبید اللہ صاحب کے مکان پر آتے تھے، گنج کی کھڑت اور کچھ کرکشی نے یہ معمول چاہا کہ صبح کی نماز پڑھ کر اپنے محلہ کی مسجد ہی میں بیٹھ جائے، علماء کی خاصی تھوڑی اور ان کے ساتھ بہت سے اساتذہ بھی روزانہ عصر سے مغرب تک یہاں رہتے، ایک بڑے لطف ملی مجلس خاکرہ ہو جاتی تھی۔

علماء کی اس مجلس نے عہدِ ماضی کی علمی مجلسوں کی یاد تازہ کر دی، اب علماء کا یہ اسرار شروع ہوا کہ دارالعلوم میں ایک جلسہ کی صورت میں کوئی تقریر ہو، میرا یہ تذکرہ کہ میں یہاں کا ایک اہل علم ہوں اور جو کچھ لکھا پڑھا تھا وہ بھی بڑھاپے کی نذر ہو چکا ہے، میں علماء و علماء کے گنج میں کیا کہوں؟ بالآخر اسرار اور افکار کی مصالحت اس پر ہوئی کہ مکتوفہ شریف کے ایک درس کی صورت میں کچھ مصروفیات پیش کر دوں، اس کا بھی اعلان کرنا مجھے پسند نہ تھا، مصروفیات، مولود میر کی شب میں دارالحدیث کے وسیع ہال میں یہ درس ہونا قرار پایا، علماء کی زبانی ہی ایسا معلوم ہوا کہ یہ خبر پڑے دارالعلوم میں کھیل گئی، عشاء کے بعد حاضر ہوا تو پہاں کچھ کچھ بھرا ہوا تھا، ریجنڈہ میں یہ میری حاضری اگرچہ تیرہویں سال تھی، لیکن دارالعلوم کا درس چھوڑے ہوئے علماء اس سال تھا۔

میں نے مکتوفہ کی روح میں ایک بالکل انقلابی۔

انشاء اللہ تعالیٰ بالیقینات

اور دوسری کتاب ارتقاء کی پہلی حدیث۔



بعضہن مغفون لہما یحفظ بین الناس الضیعة والظلال

چند گرائی اصلی برادری علماء کو خطاب کیا کہ شاید آپ اس انگارہ میں ہوں گے کہ میں کسی دینی علمی بحث کو آپ کے سامنے پیش کروں گا اور میرے علم کے جذبات بھی اسی طرف جھل رہے ہیں، لیکن میں یہ علمی گناہ اسی جگہ پہلے بہت کر چکا ہوں، اب بھلا اس غور و غمازی کے گناہ سے توبہ کر چکا ہوں، چند پچھتے پچھتے کلمات بصیرت عرض کروں گا۔

یاد رہے علم آپ حضرات کا تازہ اور تھکے سے بہت زیادہ ہے، مگر ہاں میرے سلیب ہیں، دنیا کی تعلیم گاہوں اور علماء و علماء کا تجربہ مجھے زیادہ ہے، اس قصید کے ساتھ علماء کے مناسب حال کچھ نصائح پیش کیں۔

### مسکب دایہ بندی کی حقیقت

اور آخر میں یہ عرض کیا کہ آپ حضرت کو بھی اس نسبت خداوندی کی قدر نہیں ہے کہ اس نے آپ کا عقلی رشتہ دار معلوم سے منسلک کر دیا، جب اس ہم اہل کے گمبہ سے آپ باہر نکلیں گے اور کتاب و سنت اور عقلی مسائل حق کی تعمیر میں آپ کو افراد و افراد کا ایک ہیما تک نظر سامنے آئے گا اس وقت معلوم ہوگا کہ دایہ بند اور اس کا معتدل مسکب کبھی عظیم نصرت ہے، میں بھی طالب علمی کے زمانہ میں آپ کی طرح محض اپنے والد مرحوم کے حکم کی تعمیل میں دارالمعلم سے حقائق ہوا، یہاں کے اساتذہ نے اپنے حوصلے کے مطابق علم حاصل کیا اور مسکب دایہ بند بھی تخلیق اختیار کیا، لیکن دنیا کے شیب و افراد اور سرد و گرم جھگڑے، فرقہ وارانہ مباحث سے گزرنے کے بعد

اپنی تحقیق سے اس مسکب اعتدالی کی خوبیاں محض ہوتی ہیں، دین کے اعتبار سے تو میں دایہ بندی غلط تھا اور مسکب کے اعتبار سے تخلیق لیکن طویل غور و فکر، بحث و تجسس اور تجربے کے بعد مسکب دایہ بند کے اعتبار کا محض تخلیق سے نہیں بلکہ بصیرت سے پابند ہوں۔

آخر میں ایک مختصر جملہ اس کے حقائق بھی سن لیجئے کہ دایہ بند کوئی جداگانہ مذہب نہیں، بلکہ قرآن و سنت کی صحیح تفسیر و تعمیل کا اور عقل و فہم، اعتدال و عاریت، عقیدہ و عدم عقیدہ، بزرگانِ سنت کے اتباع و انکار کے مختلف مسکبوں میں سے ایک نہایت معتدل مسکب کا نام دایہ بند ہے، جس میں عقیدہ اور تخلیق کو اپنی اپنی حد میں اختیار کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس زور دایہ بند کو بحث دایہ بند میں باقی رکھے اور آپ سب کو دایہ بند کے سچے اور صحیح خدایوں میں مشغول فرمائے، آمین۔

میرے دوست برادر عزیز مولوی محمد رفیع سولے نے اس تقریر کا خلاصہ حکم بند بھی کر لیا ہے،<sup>۱۰</sup> انہیں سے سے معلوم ہوا کہ اور بھی بہت سے علماء نے حکم بند کیا ہے۔ حضرت مولانا لدنی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے مولوی ارشد صاحب تو شیپ دیکھار و شیشین دارالحدیث میں تقریر کو دیکھار کرنے کے لئے لائے تھے، مگر اٹھا کا شیشین خلی ہو گئی دیکھار انہیں ہو سکا۔

سپر قضاۃ بھون

دو آپ انگ و دین کے شہر آفاق مردم فخر غلطے میں چند قصبات کو حق

(۱) یہ خلاصہ تقریر میں ہے، یہ خلاصہ نہیں۔

توبائی نے شاہ شرافت، دیانت، دین اور علم دین، تقویٰ اور بزرگی کے لئے جن لیا تھا۔ قند بھون، دین بند، گنگوہ، نانوت، کاکڑی، کیران، پانی پت وغیرہ۔ قند بھون اپنی عمرانی حیثیت سے ممتاز شہر تھا۔ اس کی آبادی ۱۸۵۰ء سے پہلے اڑتالیس ہزار کی تھی، مگر قند بھون مشہور تھے، شاہی زمانے میں یہاں کے شرفاء عموماً بڑے بڑے شاہی مہلوں اور حصوں پر فائز تھے۔ مارچ ۱۸۵۰ء میں یہ شہر خصوصیت سے بہت متاثر ہوا یہاں تک کہ اس کی آبادی تقریباً چھ سات ہزار رہ گئی، مگر ان عالی مرتبت باشندوں کے شاندار مکانات اس وقت بھی آثارِ ستائیس ہجری کی خاص مثالیں ہیں۔

یہاں کے قدیم مساجد میں حضرت قاضی محمد اعلیٰ صاحب کی شخصیت شاہ قاضی ہونے کے اعتبار سے تو معروف تھی، ان کی کتاب ”کشف اصطلاحات الفنون“ ان کی ایسی نامور یادگار ہے جو دنیا کے مشرق و مغرب میں معروف ہے۔ کتاب کیا ہے ایک مستقل فن جس کو سب سے پہلے قاضی صاحب موصوف نے گویا ایجاد کیا ہے۔ عروپ کے علمی کتب خانوں میں بھی اس کو بڑی حیثیت دی گئی ہے، اس کے بعد اس کو دیکھ کر اور بہت سے حضرات نے اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔ قاضی صاحب موصوف کی یہی قبر اسی مسجد کی ملحقہ سردی میں ہے جس میں خانقاہ امدادیہ واقع ہے۔

خانقاہ امدادیہ

مارچ ۱۸۵۰ء میں حضرت حافظ خاتون صاحبہ شہید ہو گئے اور

حضرت حاتی صاحبہ قدس سرہ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گئے، حضرت مولانا شیخ محمد صاحب کی وفات ہو گئی۔

کاہری اقطار سے تو قصبہ دیران ہوئی گیا تھا، مثنوی اقطار سے بھی اس کی زور نکل گئی، مگر شہرہ اڑی میں اس قصبے اور خانقاہ کو بظاہر عروج ہوا اور اس سے دیران حق کی عقیم خدمت ہونا مستحق تھا۔ اس کا سامان اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اس میں لئے والے فاروقی خاندان کے ایک بہت بڑے رئیس جناب مفتی مہدالحق صاحب کو حق تعالیٰ نے اس کی توفیق بخشی کہ اپنے نہایت محبوب صاحبزادے کو علم دین چڑھانے کے لئے دہریہ بھیج دیا۔ یہ دہریہ کا قرن اول تھا، صاحبزادے خانقاہی شرافت، محمل و ذہن کے ہر اقطار سے مکمل تھے، مشائخ دہریہ سے تعلیم حاصل کر کے چھ ہی سال میں آفتاب بن کر چلے، اور دنیا میں حکیم نامت حضرت اہلسنت حضرت مولانا اشرف علی کے نام سے موسوم و معروف ہوئے۔

یہ جگہ سوانح لکھنے کی نہیں اور ضرورت بھی نہیں، کیونکہ آپ کی مصلح سوانح چار حجم جلدوں میں آپ کے حلیہ خاص حضرت غوثیہ عروج الحسن صاحب مہذب مرحوم لکھ چکے ہیں۔

پھر مولانا نور احمد صاحب دہم بدر العلوم نے تمام ”تجلیات اشرف اہل حق“، ”ذاکرہ خدام محمد صاحب نے تمام ”حیات اشرف“، ”بروز دار مولوی محمد تقی سہل نے تمام ”حکیم الامت“ آپ کی مختصر سوانح اپنے اپنے طرز پر لکھی ہیں۔

آپ کی آنکھوں سے زیادہ تسلی اور شام شدہ موعظہ و موعظات خود آپ کی بھری ساری ہے، لیکن ۔

ایں زمانہ میں داحم و اناقت مست

ہوئی ہی اپنا پیسہ یافتہ مست

خانقاہ کے اندر قدم رکھتے ہی اس علم و معرفت، تقویٰ و تقدس کے دریا سے ٹھیکہ کٹا کر کی یاد رکھو اس انداز سے آئی کہ اس نے یہ سطرین لکھتے پر مجبور کر دیا۔

تحکیم الامت حضرت مولانا

تھانوی کی برکات و افادیت باقیہ

آپ نے چودھویں صدی ہجری کے پہلے سال میں دارالعلوم دیوبند سے سب علوم و دینیہ کی تعلیم تحصیل کر کے سنہ فراغ حاصل فرمائی، اور اس طرح حاصل فرمائی کہ آپ کے استاد خاص جامع کلمات حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب رحمہ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ آپ پر فخر کرتے تھے۔

اسی وجہ سے سنہ فراغ حاصل ہونے ہی تک چودھویں صدی ہجری کے شروع پر آپ کے مجددانہ کارنامے شروع ہوئے، کانپور میں دس و تودیس کے ذریعہ شہر علوم و دینیہ کی خدمت اہم کام دینا شروع کر دی، اسی درمیان میں موعظہ حسد کے ذریعہ عوامی تبلیغ نہایت مؤثر انداز میں شروع فرمائی، ساتھ ہی اطراف سے سوالات تقویٰ کا زور جم آپ کی طرف ہونے لگا، یہ سلسلہ بھی جاری رہا۔

ایک طرف دس و تودیس سے، دوسری طرف تقویٰ سے، تیسری طرف مستقل ضروری رسائل کی تصنیف سے، چوتھی طرف موعظہ حسد سے دین کی اہم خدمات تک وقت شروع ہو گئیں، اور مجددانہ انداز سے شروع ہو گئیں۔

اسی درمیان میں جبکہ آپ علوم ظاہری کی خدمت میں شب و روز مشغول تھے، اللہ تعالیٰ نے باطنی کمالات اور تصوف کے مقامات حاصل کرنے کا بے پناہ جذبہ دل میں پیدا فرما دیا، جس کی تسکین کے لئے قدرت نے ابھی تک سیدہ الطافہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہا کو مکہ مکرمہ میں قائم رکھا ہوا تھا، اور حضرت موصوف کی خود یہ قناعتی کہ کسی طرح وہ خانقاہ پھر آباد ہو جو ان کی جہت کے وقت ویران ہو گئی تھی، حضرت قدس سرہا کے ہم وطن ہونے اور رشتہ داری کے تعلقات پر آپ کی ذاتی صلاحیتوں کا ایک قدرتی اضافہ ہو گیا، موعظہ نے خاص توجہ سے آپ کی تربیت فرمائی اور بہت تھوڑے عرصے میں آپ کو حسنِ تقویٰ نے سلوک و طریقت کا بھی وہ مقام عطا فرما دیا جس کی مثال حق میں ہی نہیں مل سکتی ہے۔

تعلیم کے بعد چارے چھ سال علم و تعلیم کی خدمت کے لئے کانپور ہی میں گزار دیئے، آخر کار شیخ کی ولی تمنا اور توجہ چاہ آئی، چھوڑ سال ہونے پر طلوع گزرتی اور کمسنی کے ساتھ خدمت کرنے کا جذبہ اس وجہ میں پیدا ہوا کہ کانپور کے قیام کو ترک کر کے قاضی بھون کے قیام پر مجبور

ہو گئے اور ۱۳۱۵ھ سے ۱۳۱۶ھ تک عمر شریف کے بیٹا نہیں سال ہی گوشہ خانہ میں گزار دیئے۔

مگر جس طرح آفتاب کسی گوشے میں مقبض نہیں ہوتا، آپؐ کے کلماتِ ظاہری و باطنی، علمی و عملی نے پوری خانقاہ کو ایک آفتابِ عالم تاب بنادیا۔ دین کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ نہیں رہا جس میں آپؐ کی بے نظیر خدمات نہ ہوں۔ تصنیف و تالیف کا وہ عظیم الشان سلسلہ کہ آج کل کوئی شخص ساری عمر میں اس کو پڑھ لے تو اس کا بہت بڑا کمال ہے۔ پھر تصنیف میں تحقیق و احتیاط کا یہ عالم کہ جب تک کسی مسئلے میں شرع، صمد اور ائمہ اربعین کامل حاصل نہ ہو آگے نہیں بڑھتے، اس پر قاضی اور خدائی کا یہ عالم کہ ایک بچہ آپؐ کی تحقیق و تصنیف پر اعتراض کرے تو صرف یہی نہیں کہ اس کو خوش دلی سے سن نہیں بلکہ نکالی دیا جاتا ہے یہ تصور غالب ہو جانے کو مجھ سے نقلی ہوگی، پھر تحقیق و جستجو کے بعد اعتراض غلط معلوم ہوا تو اس کی تسمیہ کردی، دہت اپنے کام کی اصلاح کردی، جس کا ایک طویل سلسلہ ترجیح الامراء کے نام سے ماہنامہ "الغور" قزاقستان میں شائع ہوتا رہا، یہاں تک کہ ایک مستقل عظیم کتاب بن گئی۔

دعوتِ وفاق کیر کا وہ بے پناہ سلسلہ کہ کوئی ضروری مسئلہ نہیں چھوڑا، جس پر مستقل دعوت نہ فرمادیا ہو، اور تک کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا جہاں جا کر دعوتِ حق نہ پہنچادی ہو۔

تصنیف اور دعوت دونوں میں یہ خاص رنگ کہ اسلامی فرقوں اور

پناہوں کے خدائی مسائل کو کبھی مقصد نہیں بنایا، اور جس موقع پر ضرورت محسوس ہوئی تو لہجہٴ تحمل اور متحمل تحقیق مشتعل اور عجمانہ لہجے میں انہی بیان فرمادی کہ دلوں میں آتر جائے۔

حالیانِ حق کے لئے خانقاہ میں ذکر و عقل، اصلاح و ارشاد کا وہ عظیم سلسلہ جاری ہوا کہ تک کا شاید ہی کوئی گوشہ باقی رہا ہو جہاں کے خوش نصیب لوگ اس بارگاہ میں حاضر ہو کر فیضیاب اور کامیاب نہیں ہوئے۔ زہادت کے لئے حاضرین و زائرین کا یہ عالم کہ حقوق کوئی جتنی ہے، اور جو ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھ جاتا ہے، دل کی نیند جاتی ہوئی پاتا ہے، دین کا رنگ لے کر جاتا ہے، دین کے معاملے میں بڑے اور سب پر رحم کے شہادت کا انداز اس مجلس کی خصوصیات میں سے تھا، اور بیشتر نوبت یہ آتی تھی کہ سوال و جواب کے بغیر ہی شہادت کا فور ہو جاتے تھے۔

بڑے سے بڑا الجھا ہوا مسئلہ اور معاملہ آپؐ کے سامنے پیش ہونے کے بعد لہجہٴ آسمان اور صاف ہو جاتا تھا۔

اسے لگام تو جواب پر سوال۔ مشکل از حد حل خود ہے نہیں وصال آپؐ کی مہرِ زمانہ شان پر شعبہٴ زندگی اور ہر دینی مسئلے میں محسوس ہوتی، یہ مہرِ وقت دنیا سے اس وقت وخصت ہوا جبکہ لاکھوں ہنگاموں خدا کو دین کے صحیح کام پر لگا دیا، ان کی صورت و سیرت چل کر سلسلے کے مطابق بنادی، اور پھر اپنے بعد کے لئے جاہلیت و ارشاد کا ایسا سامان جمع کر دیا جو انکا دامنِ حقانی آپؐ کے لئے ناقیامتِ مودق جاری رہے گا۔

جنان کو غلام ملک کے گوشے گوشے میں ارشاد و تحقیق کے لئے بھجوا دیے۔

خیرؑ ایسے حضرات اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے مقرر فرما دیے جو اگرچہ غلام کے وہب میں نہ تھے، مگر اصطلاح عقلی کی قابلیت و صلاحیت رکھتے تھے، جن کا ہم حضرت قدس سرہ نے پانچویں صہبت قرار دیا تھا۔

اس طرح ایک سو باسٹور چال کار مخصوصی طور سے اپنے بعد خدمت دین کے لئے چھوڑے، اور ان کے علاوہ ہزاروں بندگان خدا ایسے بھی ہیں جو اگرچہ اس فہرست میں نہیں آئے، لیکن یہی خدمت وہ بھی انجام دے رہے ہیں۔

اسی طرح آٹھ سو کے قریب تصانیف، موائعہ و مکتوبات کے ملبوہ ذخیرہ چھوڑے، جو دین کے ہر شعبے کے متعلق ہر مشکل کا حل اور اصطلاح عقیدہ، اصطلاح احوال، اصطلاح انطباع کے لئے اکسیر و عظم ہیں، خصوصاً موائعہ کا اثر اصطلاح میں ایسا مشاہدہ اور گریب ہے کہ دیکھتے ہی دل کی دنیا بدلتے لگتی ہے۔ اس لئے اگر یہ کہا جائے کہ اپنے کارناموں کے اعتبار سے وہ آج بھی زندہ ہیں اور خدا تبارک و تعالیٰ سے توفیق و نکل مہیا ہوئیں۔

سولہ سال تک تھانہ بھون کی حاضری

حق تعالیٰ کا شکر و اعجاز ہو سکتا کہ اس نے محض اپنے فضل سے اس ناکارہ خلایق کو خانقاہ تھانہ بھون سے وابستہ فرما دیا۔

پھر سے والد مرحوم حضرت نجیم الثامتہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سفر

تھے، اس لئے بچپن ہی سے حضرت کے کلمات کان میں چرتے اور محبت و محبت کی دل میں جگم جگم رہتی کرتے تھے۔

سب سے پہلے آج سے سینتالیس برس پہلے ۱۲۳۵ھ میں محض زیارت اور دعا کے لئے والد صاحب کی معیت میں تھانہ بھون کی حاضری ہوئی، بچکانہ پر شفقت تو آپ کی غفلت تھی، والد صاحب کے فضل نے اس میں اور بھی اضافہ کر دیا، حضرت کی محبت اور بھی قلب میں مرکوز ہو گئی۔

پھر دارالعلوم کے نصاب تعلیم سے فراغت پانے کے بعد ۱۲۳۵ھ میں تحصیل سلوک کا مشغول ہو کر والد ماجد کے ساتھ تھانہ بھون حاضر ہوا، حضرت نے کچھ نصاب اور کچھ اور دینی تحقیق فرمائی، مگر ابھی تین سال کی عمر تھی اور تعلیم سے فراغت پا کر دارالعلوم میں درس و تدریس کی ابتداء تھی، اس کی مشغولیت نے اس طریق میں کچھ کام کرنے کی فرصت نہ دی۔

پھر رمضان ۱۲۳۵ھ میں کام کرنے کا عزم لے کر ایک مشرہ تھانہ بھون میں قیام کیا اور اس کے بعد مسلسل ہر رمضان کا چار ماہیہ تھانہ بھون میں قیام کی سعادت نصیب ہوتی رہی، اس طرح حاضری کا سلسلہ تو کچھ اٹھ اسی سال رہا مگر باقاعدہ استظاہ کا سلسلہ ۱۲۳۵ھ سے ۱۲۴۵ھ تک سولہ سال تک جاری رہا۔

تھانہ بھون اور خانقاہ اہلادبیہ کا موجودہ حال

ہجرت پاکستان کے بعد وطن کی طرف سفر میں دیر ہنگامی طرح بلکہ بعض حیثیات سے اس سے بھی زیادہ شغف کی چیز میرے لئے تھانہ بھون

کی حاضری تھی، دو دن میں قاتل بھون دوں تھا۔

دو دن سے بڑا ہمارا پند قاتل بھون پٹپٹا، اس سفر میں مزاج بھاگے مولانا سید حسن صاحب اور برغزدار مولوی محمد رفیع جو کہ اپنی سے میرے ساتھ تھے وہ دو پرچہ دہلی سفر ہے، آدہ درواگی کے دفتر کی آمد و بہات کے لئے قاتل اور دوسرے دفتر میں بھی پہنچے رہے، ہمارا پند سے بڑا چر مولانا دو دن بے قاتل بھون پہنچے۔

پانچویں سال کے طویل عرصے میں مختلف راستوں سے قاتل بھون کی مسلسل حاضری کے لئے آنکھوں کے سامنے آتے جاتے رہے، تقریباً دو دن بے مولے اس مقدس اہلی کے کنارہ پر پہنچا ہوا۔

بھتی میں داخل ہو کر راستہ ہی میں حضرت قدس سرہ کا وہ مکان سامنے آیا جس میں حضرت کی وفات ہوئی، آخر عمر میں زیادہ تر قیام یہیں رہا، حاضر بھی مع اہل و عیال اس کے باوجود اس کی سال حاضر رہا تھا۔

اس وقت مکان کسٹوالین کے چلتے میں ہے، یہ قیمت ہے کہ شخصی کام کے بجائے اس میں ایک خانہ قائم کیا ہوا ہے، مکان پر نظر پڑتے ہی چشمی کا یہ شعر زبان پر آگیا۔

فصلک من ریح وان زلفنا کمرنا

فانک کشت الشرق للشمس والعربا

اے مکان! میں تیرے قربان ہوں، اگرچہ تو نے میری بے چینی کو

اور بڑھا دیا ہے کیونکہ تو ہی میرے آفتاب کا مشرق و مغرب تھا۔

بھر راستہ میں بھائی مولانا شبیر علی صاحب کا شکار گاہ سامنے آیا، جو آج کل متاویہ کا ایک نمونہ تھا، آج پر بھی کسٹوالین کے چلتے میں ہے، آدہ سے اس میں ایک اسکول کی صورت نظر آتی، دل پر چڑ کر کے اس کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھا۔

حضرت قدس سرہ کے دوسرے مکانات کی زیارت کرتے ہوئے خانقاہ کا دروازہ سامنے آگیا، جس کے دروازے کے گزے ہوئے زمانے کی ٹیکڑی روئیدہاویں سامنے کرہیں، دل کو قہام کا اندازہ مل ہوا۔

حضرت قدس سرہ کے چائے قیام سردی پر نظر پڑی تو اپنے وہ اشعار یاد آئے جو بعد وفات اسی سردی کو دیکھ کر کہے گئے تھے۔

بکی یہ جگہ حیران دلایا، تھی فرشتوں کی گھل تھی، بزم بدنی تھی یہ مسکن تھا ایک دن حکیم آسم کا ہوا اس کی ہر ایک مرض کی دوا تھی یہ چھوٹی سی بستی، یہ چھوٹی سی مسجد یہ چھوٹی سی مجلس خدا جانے کیا تھی؟ سحر ہوا جس سے عالم دوبارہ جھڑکی کی مجلس تھی نور خدا تھی

موجودہ مجسم خانقاہ مولانا عبدالرحمن صاحب کے مسکن انتظام نے خانقاہ اور سردی کو ایسا پایا ہوا ہے کہ ایک دھڑ تو میں خیال ہونے لگتا ہے کہ حضرت ابھی یہاں سے اٹھ کر مکان میں تشریف لے گئے ہیں۔

وہ کب کے آئے گی اور گئے گی نظر میں اب تک ہمارے ہیں یہ چل رہے ہیں وہ بھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ چار ہے ہیں

## حزار مبارک پر حاضری

صبر کی نماز کے بعد حزار مقدس پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں نے صاحب کثف ہوں، نہ صاحب حال، لیکن حزار پر پہنچنے ہی ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے بحالت حیات حضرت کی مجلس میں بیٹھ گیا ہوں، اور غیر معمولی مقامیات کا معاملہ جو اس ناکارہ کے ساتھ ہمیشہ کا معمول تھا وہی مقامیات مہذول ہیں۔

برگزیسٹ آکر اہل زعمہ شذوشتی جیت ست بر جریہ عالم دوام ما اور بقول کھائی گھومتی۔

مرا زعمہ چنداں چوں خوبین من آیم جہاں گر تو آئی زدن مغرب تک ایک گپ حیرت کے عالم میں یہاں قیام رہا۔

راست خانقاہ میں گزار دی، اگرچہ آج کل خانقاہ میں علماء و علماء اور ذاکرین کی وہ چھل پھل تو کہاں جو حضرت کے وقت میں تھی، لیکن سکون و دلچسپی جو خانقاہ کی خصوصیت تھی وہ آج بھی بھلائے ہی طرح قائم ہے، آخر شب میں ذکر و تلاوت کرنے والوں کی دھن آواز میں بھی ہر انسان کو دعوت مل رہی ہے۔

ایک طرف ایک صدی تک جانب آواز دہانے

اگر گراں جانی ہو آں راکر ماہ دل بجائے

تین روزہ قیام بھون کی جنت الارض میں اسی سکون خاطر اور دلچسپی کے ساتھ قیام رہا جو ہمیشہ خانقاہ میں محسوس ہوا کرتی تھی۔

دہن اور اس کے اقرباء و احباب کی ملاقاتیں بڑی فست تھیں، اور ہر طرح کی راحت اس میں حاصل ہوئی، لیکن ہنوز وہ بارہ اس طویل سفر کی مشقت اٹھانے کا کوئی دایرہ قلب میں نہیں تھا، وہی سرت جہان بھون چٹک کر یہ خیال باسرا رٹا کہ یہاں تو بار بار آنا چاہئے۔

مظاہر علوم سہارنپور

قیام بھون سے تین روز کے بعد واپس بھی برآمد سہارنپور ہوئی، اس وقت مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور بزرگوں کی زیارت کے لئے شہر میں جانا ہوا، بارہ بجے مدرسہ میں پہنچے، انکارہ مدرسہ قیام میں مشغول تھے، ہم نے بھی موقع فیضیت دیکھ کر آرام کیا، بعد عصر شیخ الحدیث حضرت مولانا ذکریا صاحب مدظلہ سے نماز ہی میں ملاقات ہو گئی۔

یہ ایک کربستہ ہی تھی ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ انفس و برعاست سے تقریباً مٹھو ہو گئے ہیں، اسی کے ساتھ یہ غلام و صفت کہ نماز کی جماعت اور منصب اول کی حاضری ان حالات میں بھی ترک نہیں ہوئی، بڑوں کا ۳۵ سے بڑی کراست نظر آئی، اللہ تعالیٰ ان کے سایہ کو بحالیت قائم رہی۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے فرمایا کہ: مجھے تو بعد عصر سے صریح کچھ بخاری کا سبق پڑھانا ہے، اس میں مشغول ہوتا ہوں، آپ میرے مکان پر جا کر چائے پئیں۔

اور من اتفاق سے اس وقت حضرت مولانا عبدالقادر صاحب دہانے

پوری مدظلہم سہارنپور میں تحریف لائے ہوئے ہیں، عصر کے بعد میں بھی وہاں جانا کرتا ہوں، وہیں ملاقات ہوگی، مجھے یہ قسمت غیر محرز باقوا آئی۔

ابھی حضرت شیخ الحدیث صاحب کے مکان پر چائے پینے کے لئے بیٹھے تھے کہ عالم مظاہر علوم اعلیٰ فی اللہ حضرت مولانا سعد اللہ صاحب فرس کر دیں تحریف لے آئے، مولانا موصوف حضرت سیدی حکیم طاہر قدس سرہا کے خصوصاً خلفاء میں سے ہیں، مظاہر علوم ہی میں آپ کی تعلیم ہوئی اور یہیں پوری عمر گزاری ہے، قوائد بھوں کی مجلسوں میں ان کی معیت یاد آ کر ایک جیب کیس مجلسوں ہونے لگا، اور الامام باقی کے نقوش سامنے آ گئے۔

عصر تک مظاہر علوم میں قیام رہا، عصر سے کچھ پہلے مولانا دانے پوری مدظلہم کی مجلس میں حرکت کی سعادت حاصل ہوئی، مغرب حضرت کی معیت میں چڑھی، ایک شیخ کمال کی مجلس محسوس ہوئی، کھڑا اللہ تعالیٰ فیہما اصطہم۔

دو بج رہنے سے واپسی

مغرب کے بعد دو بج رہنے چائے والی گاڑی سے دو بج رہاں آ گیا، اب یہاں زبیرہ قیام کا قصد نہ تھا، مگر حضرت مجسم صاحب کے سطرچ ہونے کی وجہ سے نیز سڑکوں کے بے حد اصراء سے پانچ روز دو بج رہاں میں حویہ قیام کے بعد رات امروتر وہاں کی تجویز مکمل ہو گئی اور جمعرات ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ، یکم دسمبر ۱۹۱۵ء کو دو بج رہاں سے سہارنپور حاضری دوپہر کے وقت ہوئی، پاسپورٹ کے اندراج سے فراغت پا کر امروتر کی گاڑی میں کلائی دھت باقی تھا، عصر کے بعد پھر حضرت مولانا دانے پوری کی قیام گاہ پر

سب بزدگان سہارنپور کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی، بعد عشاء امروتر کی گاڑی پر سوار ہو کر صبح چھ بجے امروتر اور بارہ بجے لاہور پہنچ گئے، بعد کا روز قوا، نیلے گنبد، دلی جامع مسجد میں نماز بعد نماز کی۔

لاہور میں پاکستان کے دارالاسلام سے متعلق ایک مشورہ کی مجلس پہلے سے زیر تجویز تھی، جس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب کو بذریعہ ٹیلی فون اطلاع کر کے بلایا گیا، حضرت مولانا مطلق محمد حسن صاحب دامت برکاتہم کی قیام گاہ پر یہ مجلس ہوئی۔

چار روز لاہور میں قیام کے بعد بروز منگل ۱۹ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ صبح کرچی واپس پہنچ گئے، اور یہ وطن کی ڈالیا پھر خواب و خیال ہو گئی۔

لطیفہ

سز کے حق نقوش و نگارشات کو دہائی کے بعد لاہور میں لکھنا شروع کیا، بکدوئل میں لکھا گیا، کراچی پہنچ کر ہائی کی تحصیل کی روز متوی نہ کر سہارنپور انیس کوئل میں آئی تو ایک لطیفہ سامنے آیا کہ بھی تاریخ جاری دو بج رہاں سے حرکت کی تھی اور آج تیرہ سال پہلے سے چھوٹا سا شروع ہو رہا ہے۔

قَلْبُهُ الْخَلْقُ الْوَلَدُ وَالْجَزَاءُ وَالْمَجْدُ وَالْمَجْدُ وَالْمَجْدُ

أَلْفَلَمْ أَجْعَلْ عَزَافَةَ أَصْفَدُ، وَأَجْرَتَا خَيْرًا مِنْ الْوَلَدِ

وَمَا ذَلِكَ عَلَيْكَ بِعَفْوٍ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ  
کراچی ۱۴۳۵ھ

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ  
۱ دسمبر ۱۹۱۵ء



ضمیمہ

مفتی اعظم پاکستان  
کی

ایک اہم تقریر کے اقتباسات

جو پاکستان سے دیوبند پہنچ کر دارالعلوم دیوبند  
کے عظیم اجتماع میں کی گئی

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہجرت پاکستان کے تیرہ سال بعد والد ماجد مفتی اعظم پاکستان  
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند کے عزیزوں اور  
دوستوں کے اصرار پر پاکستان سے دیوبند تشریف لے گئے، وہیں سے قائد  
محسن اور ولی کا بھی سفر ہوا، اس کا پہلی آموز و پلپ سفر فرما حضرت والد  
ماجدؒ نے ”نقوش و آثار“ کے نام سے قلم بند فرمایا تھا، جو طبعی ہو چکا ہے۔  
نوبی قسمت سے اقرار قائم المعروف بھی اس جاری سطر میں ساتھ تھا،  
حضرت والد صاحبؒ کے دیوبند پہنچنے پر لوگوں کی خوشی کا یہ حال تھا کہ  
پردے قصبے میں قصبہ کا سارا معلوم ہوتا تھا۔

۱۹۶۷ء میں ۱۹۶۷ء کو بعد منشاء دارالعلوم دیوبند کے بھٹکھن۔ اساتذہ کرام  
اور طلبہ کے اصرار پر آپؒ نے دارالعلوم کے دارالحدیث میں ایک  
بڑا انگیز خطاب فرمایا، دارالحدیث سمجھا چکی ہوا ہوا تھا، حصہ اولیٰ علم نے اس  
خطاب کو بروقت قلم بند فرمایا تھا، مگر انیسویں کرکھی اس کی اشاعت کی نوبت  
نہ آئی، اقرار ہے کہ اس خطاب کا خلاصہ قلم بند کیا تھا، اب ۲۳ سال بعد  
کافی میں وہ نظر آیا تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کے اہم اقتباسات،  
معلومات اور نکات چاہے ناظرین کو ہی جائیں، واللہ المستعان۔

محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ العالی

۱۹۹۷ء میں ۱۹۹۷ء میں ۱۹۹۷ء میں

خطبہ مسنونہ اور مکتوبہ شریف کی دو حدیثیں جا ہیے کے بعد آپ نے خطبہ سے خطاب فرمایا کہ:-

میرزا! شاید آپ اس انتظار میں ہوں گے کہ میں کسی دینی علمی بحث کو آپ کے سامنے پیش کروں گا، اور میرے غس کے جذبات بھی اسی طرف مائل رہے ہیں، لیکن میں یہ علمی گناہ اسی جگہ پہلے بہت کر چکا ہوں، اب الموعظہ اس خود گمانی کے گناہ سے توبہ کر چکا ہوں، چند پچھتے پچھتے کلمات نصیحت عرض کروں گا۔

ملفوظ نمبر ۲

حضرت شاہ صاحب دس میں خطبہ سے فرماتے تھے کہ:-

چالیس اسی فی میں دنیا تو بھی جی ہی نہیں، ایک دین خدا، مگر وہ تم نے نہ لیا۔

امام غزالی کا واقعہ

امام غزالی اور محمد غزالی دونوں بھائیوں کو ان کی والدہ ماں نے صرف اس لئے مدرسہ نظامیہ بغداد میں داخل کیا تھا کہ ان کی پرورش ہو جائے گی، مگر بعد میں وہ ”یخ الاسلام“ بنے، وزیر اعظم نے مدرسہ کے علماء کا جائزہ لیا اور ہر ایک سے پوچھا کہ علم دین حاصل کرنے سے ان کا مقصد کیا ہے؟ ہر ایک نے کہا کہ میں تمہارا عہدہ حاصل کرنا چاہتا ہوں، دل برداشتہ ہو کر اس نے سوچا کہ مدرسہ بند کر دے، ذرا آگے چلا تو امام غزالی جو اس وقت

طالب علم تھے ملاحظہ کرتے ہوئے نظر آئے، ان سے تعلیم کا مقصد پوچھا تو امام غزالی نے فرمایا کہ:-

ہم نے عقل سے بچنا کہ ہم کو ایک پیدا کرنے والا ہے اور عقل سے ہی یہ بچنا کہ ایسی ہستی کا امتداد منہ ہو کر اس کی اطاعت کرنا ہمارا فرض ہے، اور اطاعت کا طریقہ معلوم کرنے کا ذریعہ رسالت اور وحی ہے، لہذا ہمارے تحصیل علم کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی پسندیدہ اشیاء پر عمل کریں، اور نہ پسندیدہ اعمال سے پرہیز کریں۔

ملفوظ نمبر ۲

عابد حضرت سلطان غزالی کا ارشاد ہے کہ:-

حَلَّتْنا الْعِلْمَ لِنَعْرِفَ اللهَ فَانْشُكْرَہُ الْاَلَّہُ

ترجمہ:- ہم نے علم حاصل تو غیر اللہ (ذاتی) کے لئے کیا تھا، لیکن علم نے غیر اللہ کے لئے ہونے سے انکار کر دیا۔

یعنی علم کی برکت سے ہماری نیت بھی درست ہو گئی۔

ملفوظ نمبر ۳

حضرت حاجی امداد اللہ فرماتے تھے کہ:-

تحصیل علم میں اگر نیت گج بھی نہ ہو جب بھی علم کو چھوڑنا نہیں چاہئے، کیونکہ علم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نیت بھی گج ہو جاتی ہے۔

## امام محمدؒ کے متعلق خواب

امام محمد بن حسن کو (جو امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد ہیں) ان کی وفات کے بعد خواب میں کسی نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ:-

اے محمد! اگر میرا تجھ پر احسان کرنے کا ارادہ نہ ہوتا تو تجھے ظم نہ دیتا۔

ملفوظ نمبر ۴

علامہ زر بنوبی نے کسی امام کا قول نقل کیا ہے کہ:-

العلم لا یصلک بغضه حتی یغلبه خلق  
یعنی علم تم کو اپنا جگہ حد نہیں دے گا جب تک کہ تم اس کو اپنا سب بگم نہ دے۔

ایک طالب علم کا واقعہ

ہمارے بزرگ حضرت مولانا تقی و مشکوٰتی باب دہلی میں جانتے تھے اس وقت ان کے ایک ساتھی کا واقعہ ہے کہ مطالعہ کے لئے راشی کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے وہ حوٹلی کی دکان کے سامنے کھڑے ہو کر مطالعہ کیا کرتے تھے۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ کا واقعہ

مولانا عبدالحی صاحب مشکوٰتی کے والد مولانا عبدالحلیم صاحبؒ نے

اپنے بیٹے کے علمی شغف کا امتحان لیا کہ جب بیٹے نے ذکر سے پانی ملا کر اشارہ کر دیا کہ گیل کا پیالہ آگے کر دو، صاحبزادے مطالعے میں ایسے منہمک تھے کہ دیکھے بغیر ہی اسے پہنے لگے تو باپ نے پیالہ ان سے ہٹا دیا۔

ملفوظ نمبر ۵

طالب علم کو ہر مہائی علم کام سے پرہیز کرنا چاہئے، اس وقت جس فن میں غائی رہ جاتی ہے وہ عموماً کبھی ذور نہیں ہوتی۔

ملفوظ نمبر ۶

حضرت مولانا دہلی نے اسی جگہ اسی موضوع پر اپنا ایک فقرہ میں فرمایا تھا کہ:-

اوقات علم کا ادب اسباب حصول علم میں سے ہے۔  
یعنی علم جس جن ذرائع سے حاصل ہوتا ہے ان سب کا ادب کرنا چاہئے، اس سے ظم میں برکت ہوتی ہے۔

ملفوظ نمبر ۷

حصول علم کے اسباب میں سے ایک اہم چیز تقویٰ ہے، عمل کے لئے تو وقت کی ضرورت ہوتی ہے مگر تقویٰ کے لئے وقت کی بھی ضرورت نہیں۔

مسلک و بیحد کیا ہے؟

آپ حضرات کو ابھی اس فسطح اعلیٰ کی قدر نہیں ہے کہ اس نے آپ کا تعلیم رشتہ دار اعظم و بیحد سے منسلک کر دیا، جب اس ”بسم اللہ

کے تھکید" سے آپ باہر نہیں گئے، اور کتاب و سنت اور فقہی مسائل ہی کی تعمیر میں آپ کو افراد و تقریر کا ایک بھیا تک نظر سامنے آجائے گا اس وقت معلوم ہوگا کہ دوجہد اور اس کا متعلق مسلک کیسی عظیم اہمیت ہے۔

میں بھی طالب علمی کے زمانے میں آپ کی طرح محض اپنے والد مرحوم کے علم کی تقلید میں دارالعلوم سے متعلق ہوا، اور مسلک دوجہد بھی تھکید اختیار کیا، لیکن زاپا کے قلیب و فرار اور سرد و گرم پھیلنے اور فرقہ وارانہ مباحث سے گزرنے کے بعد اپنی تحقیق سے اس مسلک اعتدال کی خوبیاں مستحضر ہو گئیں، وہیں کے اقتدار سے تو میں دوجہد کی طرف ہٹا، اور مسلک کے اقتدار سے تھکید، لیکن طویل طور و فکر، بحث و تھمیس اور تجربہ کے بعد مسلک دوجہد کا محض تھکید سے نہیں، بلکہ سیرت سے پابند ہوں۔

آخر میں ایک مختصر جملہ اس کے متعلق بھی سن لیجئے کہ دوجہد کوئی جداگانہ مذہب نہیں، بلکہ قرآن و سنت کی صحیح تعمیر و تقلید کا، اور رض و خراج، احوال و عاہریت، تھکید و عدم تھکید، بزراگانہ مسلک کے احاطہ و انکار کے مختلف مسلوں میں سے ایک نہایت معتدل مسلک کا نام "دوجہد" ہے، جس میں "تھکید" اور "تھکید" کو اپنی اپنی حد میں اختیار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس زاویہ دوجہد کو بیک وقت دوجہد میں باقی رکھے، اور مجھے اور آپ سب کو دوجہد کے سچے خادموں میں مشغور فرمائے، آمین۔

(ماہنامہ "دہلیہ" "مہتاب" کراچی شمارہ ۹، جلد ۱۲، دسمبر ۱۹۷۷ء تا جون ۱۹۷۸ء)

طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفر نامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

[toobaa-elibrary.blogspot.com](http://toobaa-elibrary.blogspot.com)